



سیم
نقشِ باقی
عزلیات
درو

۱۱ مدرسہ یادیر تھا یا کعبہ یا بُت خانہ کو
۱۲ تجنی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھیا
۱۳ کچھ لائے نہ کہتے کہ کہو گئے ہم
۱۴ تہمت چن اپنے ذمے دھر چلے
مہر
۱۵ جو اس شیر سے تیرا روتا رہے گا
۱۶ اڑی ہو گئیں سب بیریں کچھ نہ دوانے کا کام
ابتدا ئے عشق ہے روتا ہے کیا
۱۷ ہستی اپنی حساب کی سی ہے

۱۸ کوف سے جان لب پہ آئی ہے
انشاء

۲۰ مجھے کیوں نہ آئے ساقی نظر آفتابِ اُلٹا
۲۱ کمرانا ہے ہوئے چلتے کو یاں سب بار بیٹھے ہیں
۲۲ جھڑکی سی ادا سی سین جیس سی

آتش

۲۳ دھیان اس کا کل مشکور کا جو آیا مجھ کہ
۲۴ غش وہ دل کہ ہو جی دل میں آرزو تیری
۲۵ دہن پر ہو ان کے گداں کیسے کیسے
۲۶ نگر اس کو غریب نگر گنہگار آتا ہے

موسم

۲۷ اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
۲۸ کہتے ہیں نرم کہ ہوش نہیں ہنسا رہا ہیں

۴۶ سبق ایسا پڑھا دیا تو نے

حالی

۴۸ دردِ دل کو دعا سے کیا مطلب

۴۹ دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں

۵۱ بڑھاؤ نہ آپس میں ہمت زیادہ

اکبر الہ آبادی

۵۲ امتیازِ حسرت و رنجِ دالم جاتا رہا

۵۳ فلسفی کو بحث کے اندر غدا ملتا نہیں

۵۴ اچھی نہیں شے کوئی محبت سے زیادہ

۵۴ مری نوح تن سے جدا ہو گئی

چکبست

۵۶ دردِ دل پاسِ وفا جذبِ ایمان ہوتا

۵۷ مٹی میں گل جو آوے کسی بوستان کے ہیں

۵۸ مٹنے والوں کی وفا کا یہ سبق یاد رہے۔

شاہِ عظیم آبادی

۵۹ نتاؤں میں اُلجھایا گیا ہوں

۶۰ جہاں تک ہو بسکر زندگی عالی خیالوں میں

۶۱ فذرِ تہمتی جن سے وہ اہلِ تہمت گئے

مہر

۶۲ پہلو میں تو جوئے دلِ خانہ خراب تھا

۶۳ درِ جاناں سے نہ بے جاٹے خدا اور کہیں

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا انہیں یاد ہو کر نہ یاد ہو

۳۱ اے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ

ذوق

۳۱ کسی بیکس کو اسے بیدار مارا تو کیا مارا

۳۲ مزا کھاتم کو جو بلبل سے رو بہ و کرتے

۳۳ لائی حیات آئے قصائے چلی چلے

ظفر

۳۴ یا مجھے انسرِ شام نہ بنایا ہوتا

۳۵ بٹے کہتے کسے یہاں اپنا

۳۶ نہیں عشق میں اس کا تو رنج ہمیں قرار و شکرِ فرازا

غالب

۳۷ چور سے باز آئے پر باز آئیں کیا

۳۸ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے

۳۹ نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے

۴۰ حسنِ میرِ گرج بہنگامِ کمال اچھا ہے

امیر مینائی

۴۲ عتیٰ ساتھ دنیا سے کیا لے گیا

۴۳ عمرِ برق و شہر ہے دنیا

داع

۴۴ محب اپنا خالی ہوتا جو وصالِ یار ہوتا

۴۵ سازِ یہ کینہ ساز کیا جانیں

اقبال

زمانہ دیکھے گا جب ہرے دل سے شہر اٹھیں گے
ستاروں سے آئے جہاں اور بھی ہیں

ثانی بدایونی

خوشی سے رنج کا بدلا یہاں نہیں ملتا
خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا

حسرت موہانی

بھلا تا لاکھ ہوں لیکن برا برباد آتے ہیں
نگاہِ ناز جیسے آشنائے راز کرے
نیراکرم جو رہ نما میرے لئے ہے

فراق

ایک عالم پر بار ہیں ہم لوگ

منظومات

ورد - شبنم
سیرور - پدمنی
اسمیں گرمی کا موسم
اکبر الہ آبادی فرزند نیک
چلبست - دامائن کا ایک سین
برق - احتسابِ زندگی
اقبال نیا شوالہ

ناظر

محرّم

تزانہ بیداری

مثنوی

میر حسن - مثنوی سحرالبیان

قصائد

محسن کاکردی - بادل کا بیان

غالب - آم کی تعریف

سرائی

انیس - مناجات

غالب - مرثیہ عادت

قطعات

میر

غالب

اکبر الہ آبادی

مہر

فراق

۹۷

۱۰۲

۱۰۵

۱۰۸

۱۲۲

۱۲۶

۱۲۹

۱۳۱

۱۳۳

۱۳۴

۱۳۵

۱۳۶

۱۳۷

رباعیات

۱۵۳ امیر مینائی
۱۵۴ داغ دہلوی
۱۵۵ سرور

۱۳۷ درد

۱۵۶ حالی

۱۳۹ انیس

۱۵۶ اکبر الہ آبادی

۱۴۰ حالی

۱۵۷ یکاست

۱۴۱ اکبر الہ آبادی

۱۵۸ شاد عظیم آبادی

۱۴۲ مہر

۱۵۹ مہر

۱۴۳ محروم

۱۵۹ برق

۱۴۴ فراق گورکھپدی

۱۶۰ اقبال

تعارف شعراء

۱۶۱ فانی بدایونی

۱۴۶ درد

۱۶۲ حسرت موہانی

۱۴۷ میر حسن

۱۶۲ محروم

۱۴۸ میر

۱۶۳ فراق

۱۴۹ انشاء

فرہنگ

۱۵۰ آتش

۱۵۰ مومن

۱۵۰ ذوق

۱۵۱ ظفر

۱۵۲ غالب

۱۵۲ انیس

پیغام

میر حقیقی شاعر و نیا کے لئے کوئی پیغام لے کر آتا ہے۔ اور اسے وہ اپنے الفاظ اور اپنے انداز میں سننے اور پڑھنے والوں تک پہنچاتا ہے۔ شاعری کو جزو پیغمبری مانا گیا ہے۔

کتنے ہی اردو شعرا نے اپنے کلام میں ایسے پاکیزہ لطیف اور گرائفدہ جذبات کا اظہار کیا ہے جو ادب کا حقیقی سرمایہ ہیں۔ انہوں نے اردو ادب کے دامن کو ایسے نقش و نگار سے مزین کیا ہے جن کی رنگینی جب تک اردو زبان کے آثار باقی ہیں برقرار رہے گی۔ مختلف استادوں نے غزل، نظم، مثنوی، قصیدہ، رباعی، قطعہ و دیگر انواع سخن میں اپنے خیالات ادا کئے ہیں۔

اس مختصر سے مجموعہ میں اردو کے کچھ چیدہ اور برگزیدہ شعرائے کرام کے اشعار کا انتخاب ہے۔ شکر خاں اور صاحبان کلام کے سپاس کے ساتھ یہ مجموعہ پڑھنے والوں کی خدمت میں

مؤلف

پیش ہے ÷

نقش‌یابی

غزلیات

درد

(۱)

مدرسہ یا ڈیرہ تھا یا کعبہ یا بہت خانہ تھا

ہم سبھی مہمان تھے اک تو ہی صاحب خانہ تھا
دائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا
حیف کہتے ہیں ہوا گلزارِ تاراجِ حنا

آشنا اپنا بھی واں اک سبزہ بیگانہ تھا
ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ

وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوت خانہ تھا

بھول جا خوش رہ عبتِ وے سابقے مدت یاد کر

دردِ یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

(۲)

تجھ کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا

برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

مرا غنچہٴ دل ہے وہ دل گرفتہ

کہ جس کو کسی نے کبھو وا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں

کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

ازیت، مصیبت، ملامت، بلا میں

ترسے عشقِ پیرا ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں

کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا

تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے

ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

حجابِ رُخ یار تھے آپ ہی ہم

کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا

۱۳

شب و روز سے درو درپے ہوں اس کے
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

(۱۴)

کچھ لاتے نہ تھے کہ کسو گئے ہم

تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم

جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی

ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم

ماقم کدہ جہاں ہیں جوں ابر

اپنے تئیں آپ رو گئے ہم

ہستی نے تو اٹک جگا دیا تھا

پھر کہتے ہی آنکھ سو گئے ہم

یاروں ہی سے درو ہے یہ چرچا

پھر کوئی نہیں ہے جو گئے ہم

(۱۵)

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے

ہیں لئے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام ان گلوں سے لے صبا

ایک دم آئے ادھر او دھر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس

تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

آہ! بس جی مت جلا تب جانئے

جب کوئی افسوں نرا اوسا پر چلے

ایک ہیں دلریش ہوں ویسا ہی دوست

زخم کتنوں کے سنا ہے مجھ پر چلے

شمع کی مانند ہم اس بزم ہیں

چشم تر آئے تھے دامن تر چلے

ڈھونڈتے ہیں آپ سے اوس کو پر سے

شیخ بھاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ہم جہاں ہیں آئے تھے تنہا لے

سراختہ اپنے آب افسے لے کر چلے

جوں شرارے ہستی بے بودیاں

بارے ہم بھی اپنی باری مہر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ

جیتا نکسا بس چل سکے سا غر چلے

وہ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب

کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

میر

(۱)

جو اس شور سے میر روتا رہے گا

تو ہمسایہ کا ہے کو سوتا رہے گا

میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں

جیسے اب ہر سال روتا رہے گا

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح

تو کب تک مرے منہ کو دھوتا رہے گا

مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے
جرس کا بھی جو ہوش کھوتا رہے گا

بس اے میر مرگاں سے پونچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پر دوتا رہے گا

(۷)

اولیٰ ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوانے کا کام کیا

دیکھا اس بیمار ہی دل نے آخر کام تمام کیا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لی آنکھیں موند

یعنی رات بہت بھٹے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی

چاہتے ہیں سو آپ کریں ہم کو غیثِ یدِ نام کیا

کاش اب مُند سے برفِ نہ اوٹھا دے ورنہ پھر کیا حاصل ہے

آنکھ مُند سے پر اوں نے گو دیدار کو اپنے عام کیا

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو وُحل چو پہ سوا اتنا ہے

رات کو رو رو صبح کیا یا دن کو چوں توں شام کیا

میر کے دین و مذہب کو اب پوچھتے کیا ہو ان نے تو

تشفہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترکِ اسلام کیا

(۳۱)

ابتداءئے عشق ہے روتا ہے کیا

آگے آگے دیکھتے ہوتا ہے کیا

قافلے میں صبح کے اک شور ہے

یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا

سبزر ہوتی ہی نہیں یہ سرزمین

تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا

یہ نشانِ عشق ہیں جاتے نہیں

داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا

غیرتِ یوسف سے یہ وقتِ عزیز

میر اس کو راہِ بیگیاں کھوتا ہے کیا

(۳۲)

ہستی اپنی حباب کی سی ہے

یہ نمائشِ سراب کی سی ہے

ناز کی اس کے لب کی کیا کہئے

پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

چشمِ دل کھول اُس ہی عالم پر
یاں کی اوقاتِ خواب کی سی ہے
بار بار اس کے در پہ جاتا ہوں
حالت اب اضطراب کی سی ہے
میں جو بولا کہہا کہ یہ آواز

اُسی خانہ خراب کی سی ہے
میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

(۱۵)

کوقت سے جان لب پہ آئی ہے
ہم نے کیا چوٹ دل پہ کھائی ہے
بلکھتے رقعہ لکھے گئے دفتر
شوق نے بات کیا بڑھائی ہے

آرزو اُس بلند بالا کی
کیا بلا میرے سر پہ لائی ہے
دیدنی ہے شستگیِ دل کی
کیا عمارتِ غموں نے ڈھائی ہے

ہے تصنع کہ لعل ہیں وہ لب

یعنی اک بات سی بنائی ہے

دل سے نزدیک اور اتنا دور

کسے اس کو کچھ آشنائی ہے

بے ستوں کیا ہے کوہ کن کیسا

عشق کی زور آزمائی ہے

جس مرض میں کہ جان جاتی ہے

دلبروں ہی کی وہ جدائی ہے

یاں ہوئے خاک سے برابر ہم

واں وہی نازِ خود نمائی ہے

مرگ مجنوں سے عقل گم ہے میر

کیا دوائے نے موت پائی ہے

انشاء

(۱)

مجھے کیوں نہ آئے ساقی نظر آفتاب اُلٹا
 کہ پڑا ہے آج خم میں قمر شراب اُلٹا
 غضب اُلٹے ملک کے ہیں اجی آپ بھی کہ تم سے
 کبھی بات کی جو سیدھی تو ملا جواب اُلٹا
 چلے تھے حرم کو رہ میں ہوئے اک صنم پہ عاشق
 نہ ہوا ثواب حاصل یہ ملا عذاب اُلٹا
 یہ شب گذشتہ دیکھا وہ خفا سے کچھ ہیں گویا
 کہیں حق کرے کہ ہووے یہ ہمارا خواب اُلٹا
 یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں
 وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا

(۲)

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
 بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
 نہ چھیڑاے نکلت باؤ بہاری راہ لگ اپنی
 تنجھے اٹھ کھیلیاں سو جھی ہیں ہم بنزار بیٹھے ہیں
 تصور عرش پر ہے اور سر ہے پائے ساتی پار
 غرض کچھ زور دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں
 بسان نقش پائے رہرواں کوئے تمنا میں
 نہیں اٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں
 یہ اپنی چال ہے افتادگی سے اب کہ پیروں تک
 نظر آیا جہاں پر سایہ دیوار بیٹھے ہیں
 کہاں صبر و تحمل آہ! ننگ و نام کیاشے ہے
 میاں رو پیٹ کر ان سب کو ہم یکبار بیٹھے ہیں
 نجیبوں کا عجیب کچھ حال ہے اس دور میں یارو
 جہاں پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں
 مہلا گردشِ فلک کی چین ویتی ہے کسے انشا
 غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دوچار بیٹھے ہیں

(۳)

جھڑکی سہی ادا سہی چین چین سہی
 یہ سب سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی
 گر ناز نہیں کہے سے بُرا مانتے ہیں آپ
 میری طرف تو دیکھتے ہیں ناز نہیں سہی
 منظور دوستی جو تمہیں ہے ہر ایک سے
 اچھا تو کیا مضائقہ انشا سے کیس سہی

سہی
 آتش

(۱)

دھیان اس کا کل مشکیں کا جو آیا مجھ کو
 خواب میں آ کے سیاہی نے دیا یا مجھ کو
 نہ سنا تھا سو وہ کانوں نے سنایا مجھ کو
 جو نہ دیکھا تھا ان آنکھوں نے دکھایا مجھ کو

و اشد دل کے لئے باغ میں آنکلا تھا

یار بن غنچوں نے ہنس ہنس کے رلایا مجھ کو

طہر پر حضرت موسیٰ نے تجلی دیکھی

بام پر یار نے دیدار دکھایا مجھ کو

آس پر یرو کے یو گیسو کا ہوا سودائی

میں نے جانا کہ یہ دل تیج میں لایا مجھ کو

فکر اشعار میں کائی شب تاریک فراق

رات بھر صبح کے مضمون نے جگایا مجھ کو

حشر کے روز میں اتنا تو کہوں گا آتش

ان پر یرو یوں نے دیوانہ بنایا مجھ کو

(۲)

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری

خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بو تیری

یقین ہے اٹکے گی جاں اپنی آکے گردن میں

سنا ہے چاہے قریبِ رگِ گلو تیری

وہ گل ہوں میں کہ ترا رنگ جس سے ظاہر ہے

وہ غنچہ ہوں کہ بغل میں ہے جس کی بو تیری

پھرے ہیں مشرق و مغرب سے تا جنوب شمال
تلاش کی ہے صنم ہم نے چار سو تیری

شب فراق میں اک دم نہیں قرار آیا
خدا گواہ ہے، شاہد ہے آرزو تیری
دماغ اپنا بھی اے گلاب دن معطر ہے

صبا ہی کے نہیں حصہ میں آئی بو تیری
پڑھا ہے ہم نے بھی قرآن قسم ہے قرآن کی
جواب ہی نہیں رکھتی ہے گفتگو تیری

میری طرف سے صبا کہیو میرے یوسف سے
نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بو تیری
جو ابرگر یہ زناں ہے تو برق خنداں زناں

کسی میں نحو ہے ہماری کسی میں نحو تیری
یہ چاک جیب کے حق میں دعا ہے مجنوں ہے
نہ ہو وہ دن کہ درستی کرے رفو تیری

کسی طرف سے تو نکلے گا آخر اے شہ حسن
فقیروں کی نظر ہے راہ کو بکھو تیری

زمانہ میں کوئی سچہ سا نہیں ہے سیفِ زباں
رہے گی معرکہ میں آتشِ آبرو تیری

(۳)

دہن پر ہیں اُن کے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

مہتارے شہیدوں میں داخل ہوئے ہیں
گل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے

بہار آئی ہے نشہ میں جھومتے ہیں
مُربدانِ پیرِ میناں کیسے کیسے

نہ مڑکے بھی بید و قاتل نے دیکھا
رُپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے

بندِ گوبرِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے

بہارِ گلستاں کی ہے آمد آمد
کہ پھرتے ہیں خوش باغباں کیسے کیسے

توجہ نے تیری ہمارے میجا
توانا کئے ناتواں کیسے کیسے

دل و دیدہ اہل عالم میں گھر ہے
تمہارے لئے ہیں مکاں کیسے کیسے
غم و غصہ و رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے
کرے جس قدر شکرِ نعمت وہ کم ہے
مزے کو ٹھتی ہے زباں کیسے کیسے

(۴۴)

مگر اس کو فریبِ زر گس مستانہ آتا ہے
آلٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیمانہ آتا ہے
خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گہریاں بھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے
فراقِ یار میں دل پر نہیں معلوم کیا گذرے
جو اشک آنکھوں سے آتا ہے سو بے تابانہ آتا ہے
تماشا گاہِ ہستی میں عدم کا دھیان ہے کس کو
کہے اس انجمن میں یادِ خلوت خانہ آتا ہے

زیارت ہوگی کعبہ کی یہی تعبیر ہے اس کی
کئی شب سے ہمارے خواب میں بت خانہ آتا ہے

عتاب و لطف جو فراڈ ہر صورت سے راضی ہیں

شکایت سے نہیں واقف ہیں شکرانہ آتا ہے

خدا کا گھر ہے بت خانہ ہمارا دل نہیں آتش

مقام آشنا ہے یاں نہیں بیگانہ آتا ہے

مومن

(۱)

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا

رنج راحت فزا نہیں ہوتا

بیوف کہنے کی شکایت ہے

تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا

تم ہمارے کسی طرح نہ ہوتے

ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر
 دل کسی کام کا نہیں ہوتا
 تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
 جب کوئی دُورِ اُترا نہیں ہوتا
 حالِ دل یار کو لکھو کیونکر
 ماتحتِ دل سے جدا نہیں ہوتا
 چارۂ دل سوائے صبر نہیں
 سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

کیوں سُنئے عرضِ مضطرب سے مومن
 صنم آخر خُدا نہیں ہوتا

(۲)

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
 سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں
 رہتے ہیں جمعِ کوچہ جاناں میں خاصِ عام
 آباد ایک گھر ہے جہاںِ خراب میں
 آنکھ اوس کی پھر گئی تھی دل اپنا بھی پھر گیا
 یہ اور انقلاب ہوا انقلاب میں

مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا
 حسرت بھی اب نہیں دلِ ناکامیاں میں
 ناکامیوں سے کام رہا غم بھر ہمیں
 پیری میں یاس ہے جو ہوس بختی شباب میں
 دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش
 وہ ہی خط اوس نے بھیج دیا ہے جواب میں

نقدِ یہ بھی بُری مری تقدیر یہ بھی بُری
 بگڑے وہ پریش سببِ اجتناب میں
 کیا جلو سے یاد آئے کہ اپنی نہیں خبر
 بے بادہ مست ہوئی میں شبِ ماہِ تناب میں
 پیہم سجدِ پائے صنم پر دم و دماغ
 موتِ خدا کو بھول گئے اضطراب میں

(۳)

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 وہی، یعنی وعدہ نباہ کا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 وہ جو لطفِ مجھ پہ تھے پیشتر، وہ کرم کہ تھا میرے حال پر
 مجھے سب سے زیادہ ذرا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ نہ بے گئے، وہ شکایتیں، وہ مزے مزے کی حکایتیں
 وہ ہر ایک بات پہ رُو ٹھٹھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 کبھی ہم ہیں تم ہیں بھی چاہ ممتی، کبھی ہم ہیں تم میں بھی راہ ممتی
 کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
 جسے آپ گنتے تھے آشنا، جسے آپ کہتے تھے با و فنا
 میں وہی ہوں مومن مبتلا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

(۴۱)

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
 بے طاقتی کے طعنے ہیں عذرِ جفا کے ساتھ
 بہرِ عبادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
 دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ
 وہ لالہ رو گیا نہ ہو گلگشتِ باغِ کو
 کچھ رنگ، بوئے گل کے عوض ہے صبا کے ساتھ
 اس کی گلی کہاں یہ تڑکچھ باغِ خلد ہے
 کس جانب مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ
 اللہ رمی گم رہی بیت و بیت خانہ چھوڑ کر
 مومن پہلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ

دوق

(۱)

کسی بیکس کو اسے پیدا دگر مارا تو کیا مارا
 جو آپ ہی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا
 بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا
 ہنگ و اژدہا و شیر مارا تو کیا مارا
 نہ مارا آپ کو جو خاک ہوا کسیرین جاتا
 اگر پارہ کو اسے اکسیر گر مارا تو کیا مارا
 تفنگ و تیر تو ظاہر نہ تھا کچھ پاس قاتل کے
 الہی پھر چول پر تاک کر مارا تو کیا مارا
 ہنسی کے ساتھ یاں روتا ہے مثل قتل مینا
 کسی نے قہقہہ لے بے خبر مارا تو کیا مارا
 جگر زخمی ہے اور دل لوٹتا ہے تم نے کیا جانے
 ادھر مارا تو کیا مارا ادھر مارا تو کیا مارا

گیا شیطان مارا ایک سجدہ کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا

دل بدخواہ میں تھا مارتا یا چشم بد میں ہیں
فلک پر فوق تیرا گر مارا تو کیا مارا

مزا تھا ہم کو جو بلیں سے ڈبو کر تے
کہ گل مہتاری بہا روں میں آرزو کرتے

مڑے جو موت کے عاشق بیاں کھجو کرتے
مسیح و خضر بھی مرنے کی آرزو کرتے

غرض تھی کیا تیرے تیروں کو آپ پیر کاں سے
مگر زیارتِ دل کیونکہ بے وضو کرتے

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل کبھی نہ تمنائے رنگ و بو کرتے

یقین ہے صبح قیامت کو بھی صبحی کش
اکھیں گے خاک سے ساقی سبوسو کرتے

نہ رہتی یوسف کفوں کی گرھی بازار
مقابلے میں جو ہم سجدہ کو رو برو کرتے

عجب نہ تھا کہ زمانے کے انقلاب سے ہم
تیمم آب سے اور خاک سے وضو کرتے

سُرخِ عمر گزشتہ کا ڈھونڈ بیٹے گرزوق
تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

(س)

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

بہتر تو ہے یہی کہ نہ دُنیا سے دل لگے

پر کیا کریں جو کام نہ بے دل لگی چلے

کم ہونگے اس بساط پر ہم جیسے بدقمار
جو چال ہم چلے سو نہایت بُری چلے

ہو عمرِ خضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ

ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے

نازاں نہ ہو خرد پہ جو ہونا ہو وہ ہی ہو

دانش تری نہ کچھ مری دانشور می چلے

دُنیا نے کس کا راہِ فنا میں دیا ہے ساتھ

تُم بھی چلے چلو پو پو ابھی جب تک چلی چلے

جاتے ہوئے شوق میں ہیں اس چمن سے شوق
اپنی بلا سے یاد صبا اب کبھی چلے

نظم

(۱)

یا مجھے افسرِ شام نہ بنایا ہوتا
یا مرا تاجِ گدایا نہ بنایا ہوتا
اپنا دیوانہ بنایا مجھے ہوتا تو نے
کیوں خرومند بنایا نہ بنایا ہوتا
خاکساری کے لئے گرچہ بنایا تھا مجھے
کاش خاکِ درِ جانا نہ بنایا ہوتا
نشہٴ عشق کا گرِ طوفِ دیا تھا مجھ کو
عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا
دلِ صد چاک بنایا تو بلا سے لسیکن
زلفِ مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا

صوفیوں کے چونہ تھا لائق صحبت تو مجھے
 قابلِ جلسہ رندانہ بنایا ہوتا
 تھا جلانا ہی اگر دوری ساقی سے مجھے
 تو چراغِ درِ میخانہ بنایا ہوتا
 شعلہٴ حسنِ چمن میں نہ دکھایا اس نے
 ورنہ بلبُل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا
 روزِ معمورہ دنیا میں خرابی ہے ظفر
 ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

(۲)

مائے کہئے کسے یہاں اپنا
 کون اپنا ہے اور کہاں اپنا
 ہم پھر نے ڈھونڈتے عبث اوس کو
 دل میں تھا یارِ دِلستاں اپنا
 پہنچ جائیں گے بامِ عرشِ تلک
 ہے اگر عشقِ نروباں اپنا
 سنتے ہیں باغ میں گریِ بجلی
 جل گیا ہو نہ آشیاں اپنا

ہو وہ جانِ جہاں نہ ہرگز دوست
 اور دشمن ہو اک جہاں اپنا
 آہ کرنے کی بھی نہیں طاقت
 اس قدر دل ہے ناتواں اپنا
 غنچے گلشن میں ہوں شگفتہ ہزار
 پر نہ ہو دل یہ بشاد ماں اپنا
 شمع ساں لگ اڑے زبان کو آگ
 گر کروں سوزِ دل بیاں اپنا
 ہم ہوئے پیرائے نظر لیکن
 دل ہے اب تک وہی جواں اپنا

(۳)

نہیں عشق میں اس کا توریج ہمیں کہ قرار و شکیب ذرا نہ رہا
 غمِ عشق تو اپنا رفیق رہا کوئی اور بلا سے رہا نہ رہا
 دیا اپنی خودی کو جو ہم نے مٹا وہ جو پردہ سایج میں بکھا نہ رہا
 رہے پردہ میں اب نہ وہ پردہ نشیں کوئی دوسرا اس کے ہوا نہ رہا
 نہ کھتی حال کی جب ہمیں اپنے خبر رہے دیکھتے اوروں کے غیب و ہنر
 پڑی اپنی برائیوں پہ جو نظر تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا

مجھے صاف بتائے نگار اگر تو یہ پوچھوں میں رو رو کے خونِ جگر
 لے پاؤں سے کس کے ہیں دیدہ ترکھ پا پہ جورنگِ حنا نہ رہا
 نظر آدمی اُس کو نہ جانتے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا
 جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

غالب

(۱)

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا
 کہتے ہیں ہم تجھ کو مسنہ دکھلائیں کیا
 رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
 ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرا ئیں کیا
 لاگ ہو تو اُس کو ہم سمجھیں لگاؤ
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
 ہو لئے کیوں نامہ ہر کے ساتھ ساتھ
 یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا

موجِ غول سر سے گڈر ہی کیوں نہ جلئے
 آستانِ یار سے اٹھ چائیں کیا
 عمر بھر دیکھا کیا مرنے کی راہ
 مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا
 پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے
 کوئی بستلاؤ کہ ہم بستلائیں کیا

(۲)

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے
 آخر اس درد کی دوا کیا ہے
 ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار
 یا الہی یہ واجبہ کیا ہے
 میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
 کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے
 جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
 پھر یہ بیہنگامہ اسے خدا کیا ہے
 یہ بڑی چہرہ لوگ کیسے ہیں
 غمزدہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے
نیگہِ چشمِ سترمہ سا کیا ہے

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں

ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے

ہم کو آن سے وفا کی ہے امید

جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا

اور درویش کی صدا کیا ہے

جان تم پر نشا بہ کرتا چوں

میں نہیں جانتا وع کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب

مفت لاشعہ آئے تو تیرا کیا ہے

۱۲۵

نکتہ چیں ہے غمِ دل اُس کو سنائے نہ بنے

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اُس کو مگر اسے جذبہٴ دل

اُس پہن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

لکھیں سمجھا ہے کہیں چھوڑ نہ دے بھول نہ جائے
 کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
 غیر بھرتا ہے لٹے یوں تیرے خط کو کہ اگر
 کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بستے
 اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا
 ماتھے آئیں تو انہیں ماتھ لگائے نہ بنے
 کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گرمی کس کی ہے
 پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بستے
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ رہے
 تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
 بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اُٹھ
 کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
 عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب
 کہ لگائے نہ لگے اور سمجھائے نہ بنے

حسنِ مہ گر چہ بہنگام کمال اچھا ہے
 اس سے میرا مہِ خورشیدِ جمال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
 سا غرِ جم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے
 بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے
 وہ گدا جس کو نہ ہو خوش سوال اچھا ہے
 اُن کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے مَنہ پر رونق
 وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
 دیکھے پاتے ہیں عشاقِ بتوں سے کیا فیض
 اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
 ہم سخنِ تیشہ نے فرما د کو شیریں سے کیا
 جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے
 قطرہ دریا میں جوں جوں جاوے تو دریا ہو جائے
 کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے
 ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
 دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

امیر مینائی

(۱)

غنی ساتھ دنیا سے کیا لے گیا
مگر جو کسی کو دیا لے گیا

بڑی پیچ در پیچ مہتی راہِ عشق
خدا ہم کو لایا خدا لے گیا

گیا سامنے یار کے میں تو یوں
کہ ہاتھوں سے دل کو سنبھالے گیا

گیا دل تو طاقت بھی جاتی رہی
تڑپنے کا بھی وہ مزا لے گیا

بہت تھے اسیرانِ زندانِ ہوش
جنوں آ کے سب کو چھڑا لے گیا

سب یار تھا مستحق اسے امیر
مرے استخوان کیوں ہمالے گیا

(۲)

عمر برق و شدار ہے دُنیا
کتنی بے اعتبار ہے دُنیا

داغ سے کوئی دل نہیں خالی
کیا کوئی لالہ زار ہے دُنیا

ہر جگہ جنگ، ہر جگہ ہے نزع
عرصہ کار زار ہے دُنیا

آنے جانے پر سانس کے ہے مدار
سخت ناپائیدار ہے دُنیا

ایک جھونکے میں ہیں ادھر سے ادھر
چار دن کی بہار ہے دُنیا

کوئی کافر کوئی مسلمان ہے
مجموع نور و نار ہے دُنیا

بدتر اس کو سمجھ خزاں سے اُمیر
دیکھنے کو بہار ہے دُنیا

دل داغ دہلوی

(۱)

عجب اپنا حال ہوتا جو وصالِ یار ہوتا
 کبھی جانِ صدقے ہوتی کبھی دلِ نثار ہوتا
 کوئی فتنہ تا قیامت نہ پھر آشکار ہوتا
 تیرے دل پہ کاش ظالم مجھے اختیار ہوتا
 جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدہ کرتا
 تمہیں منصفی سے کہہ دو تمہیں اعتبار ہوتا
 یہ مزا تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی
 نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا
 نہ مزا ہے دشمنی میں نہ ہے لطف دوستی میں
 کوئی غیر غیر ہوتا کوئی یار یار ہوتا
 تیرے وعدہ پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے
 اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا

یہ وہ دردِ دل نہیں ہے کہ ہو چارہ ساز کوئی
 اگر ایک بار مٹتا تو صزار بار ہوتا
 تمہیں ناز ہو نہ کیونکہ کہ لیا ہے داغ کا دل
 یہ رقم نہ ہاتھ لگتی نہ یہ افتخار ہوتا

۱۲

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں
 ناز و الے نیاز کیا جانیں
 شیخ رو آپ گو پوئے لیکن
 لطفِ سوز و گداز کیا جانیں
 کب کسی در کی جبہ سائی کی
 شیخ صاحب نماز کیا جانیں
 جو رہ عشق میں قدم نہ رکھیں
 وہ نشیب و فراز کیا جانیں
 پوچھئے میکشوں سے لطفِ شراب
 یہ مزا پاکباز کیا جانیں
 جن کو اپنی خبر نہیں اب تک
 وہ مرے دل کا راز کیا جانیں

حضرت خضر جب شہید نہ ہوں
 لطفِ عمرِ دراز کیا جانیں
 جو گزرتے ہیں دارغ پر صدے
 آپ بندہ نواز کیا جانیں

(۳)
 سبق ایسا پڑھا دیا تو نے
 دل سے سب کچھ مچھلا دیا تو نے
 ہم نکتے ہوئے زمانے کے
 کام ایسا سکھا دیا تو نے
 کچھ تعلق رہا نہ دنیا سے
 شغل ایسا بتا دیا تو نے
 کس خوشی کی خبر سنا کے مجھے
 غم کا پتلا بنا دیا تو نے
 لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
 دل بے مدعا دیا تو نے
 کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے
 کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے

بے طلب جو بلا بلا مجھ کو
بے غرض جو دیا دیا تو نے

عمر جاویدِ خضر کو بخشی
آبِ حیاں پلا دیا تو نے
نارِ نمرود کو کیا گلزار

دوست کو یوں بچا دیا تو نے

نغمہ بلب کو، رنگ و بو گل کو

دلکش و خوشنما دیا تو نے

کہیں مشتاق سے حجاب ہوا

کہیں پردہ اٹھا دیا تو نے

جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی

اسی سے تجھ کو سوا دیا تو نے

رہبرِ خضر و ہادی و الباس

مجھ کو وہ رہنما دیا تو نے

مٹ گئے دل سے نقشِ باطل سب

نقشہ اپنا جما دیا تو نے

ہے یہی راہ منزل مقصود

خوب رستے لگا دیا تو نے

مجھ گنہگار کو جو بخش دیا

تو جہنم کو کیا دیا تو نے

وائغ کو کون دینے والا تھا

جو دیا اسے خدا دیا تو نے

حالی

(۱)

دردِ دل کو دوا سے کیا مطلب

کیمیا کو طلا سے کیا مطلب

چشمہ زندگی ہے ذکرِ جمیل

خضر و آبِ بقا سے کیا مطلب

بادِ شاہی ہے نفس کی تسخیر

ظنِ بالِ ہما سے کیا مطلب

جن کے معبود حورو غلماں ہیں
اُن کو زاحِ صد خدا سے کیا مطلب

کام ہے مردمی سے انسان کی
زحِ صد یا اتقا سے کیا مطلب

ہے اگر رند دا من آلودہ
ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب

صوفی شہر با صفا ہے اگر
ہو۔ ہماری بلا سے کیا مطلب

نگہت سے پہ غش ہیں جو حالی
اُن کو درد و صفا سے کیا مطلب

(۲)

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں
رہنے نکلیں گے سینکڑوں اس میں

کی نصیحت بُری طرح ناصح

اور اک بس بلا و یا بس میں

ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے
چشم انسان و چشم نرگس ہر

بے قدم و دم ہیں خالق ہوں میں
 بے عمل علم میں مدارس میں
 دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز
 اب دھرا کیا ہے اُس میں اور اس میں

نہ ہو قبضے میں جب عنانِ فرس
 بیچ ہیں جو ہنسر ہیں فارس میں
 جس سے نفرت ہے اہلِ نعمت کو
 وہی نعمت ہے چشمِ مفلس میں

ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان
 دردِ تھوڑا بہت نہ ہو جس میں

جانور . آدمی . فرشتہ . خدا
 آدمی کی ہیں سینکڑوں قسمیں
 آج کل چرخِ صلح جو ہے بہت
 دیکھتے ہو بگاڑ کس کس میں

کی ہے خلوتِ پندرہ حالی نے
 اب نہ دیکھو گے اس کو مجلس میں

(۳)

بڑھاؤ نہ آپس میں ہلت زیادہ
مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلف علامت ہے بیگانگی کی
نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ

نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے
نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ

جہاں رام ہوتا ہے بیٹھی زبان سے
نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ

مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا

مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ

کہیں دوست تم سے نہ ہو جائیں بظن
جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ

جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا

نہ رکھو امیروں سے ہلت زیادہ

ہے آفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم

نہ آفت زیادہ نہ وحشت زیادہ

فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر
نہیں بس اب اے عقل مہلت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں تیرے حالی
الاپیں نہ بس آپا و صریت زیادہ

اکبر الہ آبادی

(۱)

امتیازِ خسرت و رنج و الم جاتا رہا
غم ہوا اتنا کہ اب احساسِ غم جاتا رہا

بزمِ دنیا میں کہاں سامانِ حشمت کو ثبات
گم ہوئی بہرِ سلیمانِ جامِ جم جاتا رہا

جس سے تھا خود داریِ اربابِ حاجت کا تباہ
وہ سلیقہ تم سے اسے اہلِ کرم جاتا رہا

نقل مغرب میں جو چھوڑی ایشیائے اپنی اصل
گھٹ گئی شانِ عربِ حسنِ عجم جاتا رہا

(۲)

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو تسلیجا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

مسترت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے

شہرِ تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی

عاقلوں کو بے غم عقبیٰ مزا ملتا نہیں

کشتیِ دل کی الہی بھرتی میں ہو خیر

نا خدا ملتے ہیں لیکن با خدا ملتا نہیں

غافلوں کو کیا سناؤں داستانِ عشقِ یار

سوئے والے ملتے ہیں درد آشنا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں

ان کی قبروں کا بھی اب مجھے کو پتا ملتا نہیں

صرف ظاہر ہو گیا سرمایہٴ زیب و صفا

کیا تعجب ہے جو باطن با ندفا ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر
کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

(۳۳)

اچھی نہیں شے کوئی محبت سے زیادہ
وہ بھی ہے بُری ہو جو ضرورت سے زیادہ
لے حسن کے مائل یہ نصیحت مری سن لے
سیرت پہ نظر چاہیے صورت سے زیادہ
مجھے رند سے اس درجہ نہ ہو محترماً کے شیخ
تو پاک نہیں ہے مری نیت سے زیادہ

(۳۴)

مری رُوح تن سے جدا ہو گئی
کسی نے نہ جانا کہ کیا ہو گئی
نہ تھا منزلِ عافیت کا پتا
قناعت مری رہنما ہو گئی
ستایا بہت حاسدوں نے مجھے
تردی مہرِ بانی جفا ہو گئی

گھٹی گو کہ رندی سے وقت مری
طبیعت مگر بے ریا ہو گئی

گوارا نہ تھا ذکرِ خونِ جگر
مگر اب تو میری غذا ہو گئی

وہ معرفت میں جو رکھا قدم
خوئی بھی بس اک نقشِ پا ہو گئی

وہ ساری اُمیدیں ملیں خاک میں
جو بدلی اُکھی تھی ہوا ہو گئی

پھنسی جسمِ خاکی میں رُوحِ لطیف
اسیرِ کسبِ ہوا ہو گئی

دوا کیا کہ وقتِ رُعبِ بھی نہیں
تر ہی حالتِ اکبر یہ کیا ہو گئی

چکیت

(۱)

دروِ دل، پاسِ وفا جذبہِ ایماں ہوتا
 آدمیت ہے یہی اور یہی انساں ہوتا
 نو گرفتارِ بلا طرزِ فغاں کیا جانیں
 کوئی ناشاد سکھا دے انہیں نالال ہوتا
 رہ کے دنیا میں ہے یوں ترکِ ہوس کی گوش
 جس طرح اپنے ہی سایہ سے گریزاں ہوتا
 زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
 موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہوتا
 دل اسیری میں بھی آزاد ہے آزادِ دل کا
 ولولوں کے لئے ممکن نہیں زنداں ہوتا
 گل کو پامال نہ کر لعل و گہر کے مالک
 ہے اسے طرہٴ دستارِ عزیاں ہوتا

ہے مرا ضربِ جنوں جوشِ جنوں سے بڑھ کر
ننگ ہے میرے لئے چاک گریباں ہونا

ہم اسیروں کی دُعا ہے کہ چمن سے اک دن
دیکھتے خانہ صیاد کا ویراں ہونا

(۲)

مٹی ہیں گلُ جو اور کسی بوستاں کے ہیں
کانٹے عزِ بزمِ گلشنِ ہندوستاں کے ہیں

ہم سوچتے ہیں رات کو تاروں کو دیکھ کر
شمعیں زمین کی ہیں جو داغِ آسماں کے ہیں

صحنِ چمن سے دُورا نہیں باغباں نہ پھینکا
بتکے جو یادگارِ مرے آشیاں کے ہیں

جنت میں خاکِ بادہ پرستوں کا دل لگے
نقشے نظر میں صحبتِ پیرِ میاں کے ہیں

اپنا مقام شاخِ بریدہ ہے باغ میں
گلُ ہیں مگر ستائے ہوئے باغباں کے ہیں

اک سلسلہ ہوس کا ہے انساں کی زندگی
اس ایک مُشتِ خاک کو غم دو جہاں کے ہیں

قصے لکھے ہوئے ہیں جو فریاد و قیس کے
کھوٹے ہوئے ورق وہ مری داستان کے ہیں

(۳)

مٹنے والوں کی وفا کا یہ سبق یاد رہے
بیڑیاں پاؤں میں ہوں اور دل آزاد رہے

ایک ساغر بھی عنایت نہ ہوا یاد رہے
ساقیا جاتے ہیں محفل تری آباد رہے

دل وہ دل ہے جو سدا ضبط سے ناشاد رہے
لب وہ لب ہے جو نہ شرمندہ فریاد رہے

خوشنوائی کا سبق میں نے قفس میں سیکھا
کیا کہوں اور سلامت مرا صیاد رہے

تار بگڑا ہوا ہے دل کو سنبھالوں کب تک
لے کی پابند کہاں تک مری فریاد رہے

آپ سے ہم سے ہوا تھا کبھی پیمان وفا
کیجئے ظلم مگر وہ بھی گھڑی یاد رہے

باغباں دل سے وطن کو یہ دعا دیتا ہے
میں رہوں یا نہ رہوں یہ چین آباد رہے

مجھ کو بل جائے چمکنے کے لئے شاخ مروا
کون کہتا ہے کہ گلشن میں نہ صیاور ہے

جذبہ قوم سے خالی نہ ہو سودائے شباب
وہ جوانی ہے جو اس شوق میں برباد رہے

حکم مالی کا یہ ہے پھول نہ ہنسنے پائیں
چپ رہے باغ میں کوئل اگر آزاد رہے

باغ میں لے کے جتم ہم نے اسیر می جھیلی
ہم سے اچھے رہے جنگل میں جو آزاد رہے

شاد عظیم آبادی

(۱)

نمتاؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

ہوں اُس کوچے کے ہر فرد سے آگاہ
اُدھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

نہیں اٹھتے قدم کیوں جانبِ دیر
 کسی مسجد میں بہکایا گیا ہوں
 دل مضطر سے پوچھ اے رونقِ بزم
 میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں
 ستایا آ کے پہروں آرزو نے
 جو دم بھر آپ میں پایا گیا ہوں
 کجا میں اور کجا اے شاد دُنیا
 کہاں سے کس جگہ لایا گیا ہوں

(۶۱)

جہاں تک ہو بسرِ کر زندگی عالیِ خیالوں میں
 بنا دیتا ہے کامل بیٹھتا صاحبِ کمالوں میں
 مری آنکھوں سے دیکھو حسنِ صورت کے علاوہ بھی
 بہت سی خوبیاں ہیں اور بھی صاحبِ جمالوں میں
 مرے پہلو سے آخر اٹھ گیا غمخوار گھبرا کر
 بہت مشکل ہے آکر بیٹھنا آشفقتِ حالوں میں
 جو آنکھیں ہوں تو چشمِ غور سے اوراقِ گل دیکھو
 کسی کے حسن کی شریں لکھی ہیں ان رسالوں میں

خوشا وہ صبر میں جن کو جگہ وہ شاہِ خواباں دے
ہمارا ذکر کیا اسے شاد ہم ہیں خستہ حالوں میں

(۳)

قدر بہتر سختی جن سے وہ اہل بہتر گئے
یہ دور اور ہے وہ زمانے گذر گئے

جنگل کو بلخ باغ کو خوشہ لدا کر گئے

کیوں اسے صباؤ بھول چمن سے کدھر گئے

جن جن سے اک خزانہ قدرت ہے یہ زمیں
اے چرخ کس خرابہ میں وہ اصل زر گئے

بگڑے تھے واعظوں کی جو صحبت میں ساقیا

صد شکر مسکدہ میں وہ اکہ سنور گئے

تکلیف اٹھائی دل نے کہ آرام سے کٹی
ہر طرح شاد دونوں زمانے گذر گئے

مہر

(۱)

پہلو میں توجو اے دلِ خانہ خراب تھا
سیماب کی طرح سے مجھے اضطراب تھا

پستدار اپنا مارج دیدار ہو گیا
نشاہ کو ورنہ اب ہے نہ پہلے حجاب تھا

گھر تھا زبیکہ بیم ورجا کا دلِ حزیں
ہر روز میرے واسطے روزِ حساب تھا

تیری نگاہِ مست کی اللہ سے شوخیاں
صوفی بھی بادہ کش کی طرح سے خراب تھا

عمرِ عزیز چشمِ زون میں بسر ہوئی
گو یا ہماری ہستی موہوم خواب تھا

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے فراقِ دوست
کیسا تمہارے ہجر میں جاں پر عذاب تھا

جب تک تھی آنکھ بند جُدائی بھی تھی اُسے
جس وقت چشم وا ہوئی دریا حباب تھا

کھو کر قرار حضرتِ دل کیوں ہو مضطرب
یہ تو کتابِ عشق کا پہلا ہی باب تھا
دیکھا جو ان کو جوشِ طرب سے بدل گیا
اُن کے ستم کا جو گلہ بے حساب تھا

کہتے ہیں جس کو بندِ علائق وہی تو مہر
اُس شورشِ بے حجاب کا بندِ نقاب تھا

(۶)

درِ جاناں سے نہ لے جائے خدا اور کہیں
ہم نہیں جائیں گے اس در کے سوا اور کہیں

کہو یا اُن کی جُدائی نے عزیزوں سے جُدا
میں کہیں اور ہوں اور دل ہے میرا اور کہیں

آپ کے کُچے میں اغیار کہاں آتے ہیں
میں نے ہی دیکھے ہیں نقشِ کفرِ پا اور کہیں

گھر سے نکلے تو تھکے کعبے کا ارادہ کر کے
شوقِ کمبخت مگر لے ہی گیا اور کہیں

بے ٹھکانوں کا ٹھکانا ہے ترے کوچے میں
 نہ گئے اور نہ جاسیں یہ گدا اور کہیں
 جب سے عاشق ہوئے ہم دیکھ لیا گھر اس نے
 نہیں نازل ہوئی مدت سے بلا اور کہیں
 قیس و فراد نے آباد کئے دشت و جبل
 جامرے رہنے کو اے عشق بتا اور کہیں
 ابتدا میں تھے غم عشق کے ارماں کیا کیا
 آج ٹالے نہیں ٹلکتی یہ بلا اور کہیں
 حضرت جبر کسی دھن میں چلے آتے ہیں
 آٹکھ پڑتی ہے کہیں اور تو پا اور کہیں

اقبال

(۱)

زمانہ دیکھے گا جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
 سری خموشی نہیں ہے گویا ہزار ہے حرف آرزو کا

جو موج دریا لگی یہ کہنے سفر سے قائم ہے شان میری
گہر یہ یوں اصداف نشینی ہے مجھ کو سامان آبرو کا

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں ہوتے

ہو نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سرو کستار جو کا

کوئی دل ایسا نظر نہ آیا نہ جس میں خوابیدہ ہو تمنا

الہی تیرا جہان کیا ہے ! نگار خانہ ہے آرزو کا

کھلا یہ مرکز کہ زندگی اپنی تھی طلسم ہو بس سراپا

جسے سمجھتے تھے جسم خاکی، غبار تھا کوئے آرزو کا

اگر کوئی شے نہیں ہے پہاں تو کیوں سراپا تلاش ہوں میں

نگاہ کو نظارت کی تمنا ہے، دل کو سودا ہے جستجو کا

چمن میں گلچیں سے غنچہ کہتا تھا، اتنا بیدار کیوں ہے انسان

ترمی نگاہوں میں ہے تبسم شکستہ ہونا مرے سب کو کا

ریاض ہستی کے آذر سے آذر سے ہے محبت کا جلوہ پیرا

حقیقت گل کو تو جو سمجھے تو یہ بھی پیمیاں ہے رنگ و بو کا

تمام مضمون مرے پرانے کلام میرا خطا سراپا

ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرمِ تبرا ہے ستم سے بڑھ کر
 ذرا سا اک دل دیبا ہے وہ بھی فریبِ خوردہ ہے آرزو کا
 کمال وحدتِ عیاں ہے ایسا کہ نوکِ نشتر سے تو جو چیرے
 یقین ہے مجھ کو گرے رگِ بگل سے قطرہ انسان کے اپو کا
 گیا ہے تقلید کا زمانہ، مجازِ رخت سفرِ اٹھائے
 ہوئی حقیقت ہی جب نمایاں تو کس کو یا را ہے گفتگو کا
 جو گھر سے اقبال دور ہوں میں، تو ہوں نہ محزوں عزیز میرے
 مثالِ گوہرِ وطن کی فرقت، کمال ہے میری آبرو کا

(۲)

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
 ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
 تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
 یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
 قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
 چمن اور بھی آسائیاں اور بھی ہیں
 اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
 مقاماتِ آہ و نغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
 ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
 اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
 کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں
 گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
 یہاں اب برے راز داں اور بھی ہیں

قافی بدایونی

(۱)

خوشی سے رنج کا بدلا یہاں نہیں ملتا
 وہ مل گئے تو مجھے آسماں نہیں ملتا

ہزار ڈھونڈھئے اس کا نشان نہیں ملتا
 جہیں ملے تو ملے آستان نہیں ملتا

مبھڑک کے شعلہ گل تو ہی اب لگا دے آگ
 کہ جلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا

وہ بدگماں کہ مجھے تاب رنجِ زلیست نہیں
 مجھے یہ غم کہ غم جاوداں نہیں ملتا
 تری تلاش کافی الجملہ حاصل یہ ہے
 کہ تو یہاں نہیں ملتا وہاں نہیں ملتا
 مجھے بلا کے یہاں آپ چھپ گیا کوئی
 وہ میہماں ہوں جسے میزباں نہیں ملتا
 دیارِ عمر میں اب قحطِ مہر ہے فانی
 کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

(۲)

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا
 ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا
 اک معتمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
 زندگی کا ہے کوہِ خواب ہے دیوانے کا
 حسن ہے ذاتِ مری عشقِ صفت ہے میری
 ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہے پروانے کا

کعبہ کو دل کی زیارت کے لئے جاتا ہوں
 آستانہ ہے حرمِ میرے صنم خانے کا

مختصر قصہ غم یہ ہے کہ دل رکھتا ہوں

راز کو نہیں خلاصہ ہے اس افسانے کا

زندگی بھی تو پشیمال ہے یہاں لاکے مجھے

ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ مرے مر جاسنے کا

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں

سلسلہ شیشہ سے ملتا تو ہے پیماسنے کا

وحدت حسن کے جلووں کی یہ کثرت اسے عشق

دل کے ہر ذرے میں عالم ہے پری خانے کا

ہم نے چھپائی ہیں بہت دیر و حرم کی گلیاں

کہیں پایا نہ ٹھکانہ ترے دیو اسنے کا

ہر نفس عمر گزشتہ کی ہے میت فانی

زندگی نام ہے مر مر کے چمے جاسنے کا

حسرت موہانی

(۱)

مھلاتا لاکھ ہوں لیکن برابر یاد آتے ہیں
 الہی ترکِ الفت پر وہ کیونکر یاد آتے ہیں
 نہ چھیڑاے ہمیشہ کیفیتِ صہبا کے افسانے
 شرابِ بخود کے مجھ کو ساغرِ یاد آتے ہیں
 رہا کرتے ہیں قیدِ ہوش میں اسے وائے ناکامی
 وہ دشتِ نمود فراموشی کے چکرِ یاد آتے ہیں
 نہیں آتی تو یادِ ان کی مہینوں تک نہیں آتی
 مگر جب یاد آتے ہیں تو اکشر یاد آتے ہیں
 حقیقت کھل گئی حسرت ترے ترکِ محبت کی
 تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

(۲)

نگاہِ ناز جسے آشنائے راز کرے
 وہ کیوں نہ خوبی قسمتِ پاپی ناز کرے

دلوں کو فکیرِ دو عالم سے کر دیا آزاد
 ترے جنوں کا خدا اسلسلہ دراز کرے
 خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
 جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے
 ترے ستم سے میں خوش ہوں کہ غالباً یوں بھی
 مجھے وہ شاملِ اربابِ امتیاز کرے
 غمِ جہاں سے چمے ہو فراغ کی خواہش
 وہ ان کے دردِ محبت سے ساز باز کرے
 اُمیدوار ہیں بہر سمت عاشقوں کے گروہ
 تیری نگاہ کو اللہ و لنواز کرے
 ترے کرم کا سزاوار تو نہیں حسرت
 اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

(۳)

تیرا کرم جو رہ نما میرے لئے ہے
 یہ درد کہ ہے جانِ دوامیرے لئے ہے

پرسش جو ہوتی روز ازل قسمتِ غم کی
بے ساختہ دل بول اٹھا میرے لئے ہے

میں اپنی مصیبت پر ہوں نازاں کہ وہ غمِ غم
مجھ سے کہ یہ پابندِ بلا میرے لئے ہے

غیروں سے کبھی ہے انہیں نفرت کبھی الفت
ان دونوں سے اک بات جدا میرے لئے ہے

ایسا تو نہ ہو گا کہ نہ پہونچوں تیرے در تک
جب تیری کشش راہ نما میرے لئے ہے

مقصود ہے اتنا کہ رہے مجھ پر توجہ
مخصوص یہ اندازِ حفا میرے لئے ہے

دیکھا تو کہا مجھ کو غم یار نے حسرت
یہ سوختہ بے سرو پا میرے لئے ہے

فراق

ایک عالم پہ بار ہیں ہم لوگ
کس کے دل کا غبار ہیں ہم لوگ
صد بقتا صد فنا کی ہیں تصویر
عالم انتظار ہیں ہم لوگ

ہم سے شادایاں حیات کی ہیں
چشم خوننا بہ بار ہیں ہم لوگ
ہم سے سہ گرم سیٹھ ہستی
وہ ابھڑکتے شرار ہیں ہم لوگ

ہم سے پھوٹی شعاعِ صبح حیات
مطالعِ روزگار ہیں ہم لوگ
ہم میں پنہاں رموزِ نشو و نمو
پردہ دارِ بہار ہیں ہم لوگ

ہم نے توڑی ہر ایک قیدِ حیات
کتنے بے اختیار ہیں ہم لوگ

ہم نے فردا کو کر دیا امروز
کیا قیامت شعار ہیں ہم لوگ

ژندہ باد ! انقلاب زندہ باد !!

سرکشت ہیں نثار ہیں ہم لوگ

اثرِ دردِ زندگی سے فراق

بے خود و بے قرار ہیں ہم لوگ

یعنی صبحِ ازل سے اپنے لئے

ہمہ تن انتظار ہیں ہم لوگ

منظومات

درد

شبہم

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر شبہم ترہ شبہم
 بہار باغ تو یوں ہی رہی لیکن کہ دھر شبہم
 ہمیں تو باغ تجھ بن خانہ ماتم نظر آیا
 ادھر گل مچھاڑتے تھے حبیبِ روتی تھی ادھر شبہم
 کرے ہے کچھ سے کچھ تاثیر صحبتِ صافِ طبعوں کا
 نہوئی آتش سے گل پر پیچھ کر رشکِ شرر شبہم
 مچھلا ٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیوں گے
 کسی عاشق کے رونے سے نہیں رکھتی خبر شبہم
 نہیں اسباب کچھ لازم سبکساروں کے اٹھنے کو
 گئی اُرد دیکھتے اپنے بغیر از بال و پر شبہم

نہ پایا جو گیا اس باغ سے ہرگز سراغ اس کا
 نہ پلٹی پھر صبا اب دھرنہ پھر آئی نظر شبنم
 نہ سمجھا درد ہم نے بھیدیاں کی شادی و غم کا
 سحر خداں ہے کیوں روتی ہے کس کو یاد کر شبنم

سحر واد

پدمنی

عندلیبوں کو ملی آہ و بکا کی تسلیم
 اور پروانوں کو دی سوز و وفا کی تسلیم
 جب ہر اک چیز کو قدرت نے عطا کی تسلیم
 آئی حصّے میں ترے ذوق فنا کی تسلیم
 نرم و نازک نتجے اعضا و بیے جلنے کے لئے
 دل و یا آگ کے شعلوں پہ گھٹنے کے لئے

رنگ تصویر کے پردے میں جو چمکا تیرا
خود بخود لوٹ گیا جلوہ رعنا تیرا
ڈھال کر کالبر نور میں پست تیرا
یدِ قدرت نے بنایا جو سراپا تیرا

بھردیا کوٹ کے سوزِ غم شوہرِ دل میں
رکھ دیا چیر کے اک شعلہ مضطرب میں
تو وہ مٹتی شمع کہ پروانہ بنایا تجھ کو
تو وہ لیلی مٹتی کہ دیوانہ بنایا تجھ کو
رونقِ خلوتِ شاہانہ بنایا تجھ کو
نازشِ ہمتِ مردانہ بنایا تجھ کو

ناز آیا ترے حصے میں ادا بھی آئی
جالِ فروشی بھی، محبت بھی، وفا بھی آئی
آئی دنیا میں جو تو حسن میں یکتا بن کر
چمنِ دہر میں پھولی گلِ رعنا بن کر
رہی ماں باپ کی آنکھوں کا جوتا بن کر
دلِ شوہر میں رہی خالِ سودا بن کر

حسنِ خدمت سے شگفتہ دلِ شوہر رکھا
کہ قدمِ جادۂ طاعت سے نہ باہر رکھا

تیری فطرت میں مروت بھی تھی، غمخواری بھی
تیری صورت میں ادا بھی تھی، طرحدار ہی بھی
جلوہ حسن میں شامل تھی، نکوکاری بھی
درد آیا ترے حصے میں تو خود داری بھی

آگ پر بھی نہ تجھے آہ! مچلتے دیکھا
تپشِ حسن کو پہلو نہ بدلتے دیکھا
تو وہ عصمت کی تھی اداسی نہ سیما تصویر
حسن سیرت سے تھی تیری متجملہ تصویر
لاکھ تصویروں سے تھی اک تری زیبا تصویر
تجھ کو قدرت نے بنایا تھا سراپا تصویر

نور ہی نور تیرے جلوہ مستور میں تھا
انجم ناز کا جھرمٹ رخ پر نور میں تھا
لب میں اعجازِ حیا چشمِ فسوں ساز میں تھی
کہ قیامت کی ادا تیرے ہر انداز میں تھی
شکل پھرتی جو تری دیدہ غماز میں تھی
برقِ بیتاب تری جلوہ گہ ناز میں تھی

یہ وہ بجلی تھی قیامت کی تڑپ تھی جس میں
شعلہ نارِ عقوبت کی تڑپ تھی جس میں

یہ وہ بجلی تھی جو تیغِ شرراشاں ہو کر
 کوئند آٹھی قلعہ چٹوڑ میں جولاں ہو کر
 یہ وہ بجلی تھی جو سوزِ غم حراماں ہو کر
 خاک سے لوٹ گئی تیری ایشیاں ہو کر

یہ وہ بجلی تھی تجھے جس کے اثر نے پھونکا
 رفتہ رفتہ تپشِ سوزِ جگر نے پھونکا

آہ! ادعشہ و اندازِ ادا کی دیوی
 آہ! او ہند کے ناموس و نا کی دیوی
 آہ! او پرتو انوارِ صفا کی دیوی
 او زیارت کدہ شرم و حیا کی دیوی

تیری تقدیس کا قائل ہے زمانہ اب تک
 تیری عفت کا زباں پر ہے فسانہ اب تک

آفریں ہے تری جانبازی و ہمت کے لئے
 آفریں ہے تری عفت تری عصمت کے لئے
 کیا لٹائے گا زمانہ تری شہرت کے لئے
 کہ چلی آتی ہے اک خلقِ زیارت کے لئے

نقشِ اب تک تری عظمت کا ہے بیٹھا دل میں
 تو وہ دیوی ہے ترا لگتا ہے میلہ دل میں

گرمی کا موسم

مٹی کا آن پہنچا ہے مہینہ
 بہا چوٹی سے ایڑی تک پسینہ
 بجے بارہ تو سورج سر پہ آیا
 ہوا پیروں تلے پوشیدہ سا یہ

چلی لو اور تڑا قے کی پڑی دھوپ
 لپٹ ہے آگ کی گویا کڑی دھوپ

زمین نے یا کوئی جلتا تو ہے
 کوئی شعلہ ہے یا بچھو ہوا ہے

درو دیوار ہیں گرمی سے تپتے
 بنی آدم ہیں مچھلی سے تڑپتے

پرندے اڑ کے ہیں پانی پہ گرتے
 چرندے بھی ہیں گھبراٹے سے پھرتے

درندے چھپ گئے ہیں جھاڑیوں میں
 مگر ڈوبے پڑے ہیں کھاڑیوں میں
 نہ پوچھو کچھ غریبوں کے مکاں کی
 زمیں کا فرش ہے چھت آسماں کی
 مسیروں کو مبارک ہو حویلی
 غریبوں کا بھی ہے اللہ بیسی

اکبر الہ آبادی

فرزند نیک

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
 ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے

گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی
 نازاں ہے اس پر باپ تو ماں کو عزور ہے
 خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں
 کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے
 اکبر بھی اس خیال سے رکھتا ہے اتفاق
 اس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے
 البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار
 ماں ہے نیکیوں پر بُرائی سے دور ہے
 سستا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پسند کو
 وقتِ کلام لب پر جناب و حضور ہے
 برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہے بھرا
 اس میں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زور ہے
 افکار والدین میں ہے دل سے وہ شریک
 ہمدرد ہے معین ہے اہل شعور ہے
 راضی ہے اس پر باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
 صابر ہے با ادب ہے عقیل و غیور ہے

رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
 نیکوں کا دوست صحبتِ بد سے نفور ہے
 کسبِ کمال کی ہے شب و روز اس کو دھن
 علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے
 لیکن جو ان صفات کا مطلق نہیں پتا
 اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

چکچکست

راہائے کا ایک سین

رخصت ہوا وہ باپ سے لے کر خدا کا نام
 راہِ وفا کی منزلِ اوّل ہوئی تمام
 منظور تھا جو ماں کی زیارت کا اہتمام
 دامن سے اشکِ پوچھ کے دل سے کیا کلام

اظہارِ بیکسی سے ستم ہو گا اور بھی
 دیکھا ہمیں اداس تو غم ہو گا اور بھی

دل کو سنبھالتا ہوا آخر وہ تو نہیال

خاموشی ماں کے پاس گیا صورتِ خیال

دیکھا تو ایک در میں ہے بیٹھی وہ خستہ حال

سکتا سا ہو گیا ہے یہ ہے شدتِ ملال

تن میں لہو کا نام نہیں نرود رنگ ہے

گویا بشر نہیں کوئی تصویرِ سنگ ہے

کیا جانے کس خیال میں گم تھی وہ بے گناہ

تو بہ نظر پہ دیدہ حسرت سے کی نگاہ

جنبش ہوئی لبوں کو بھری ایک سرو آہ

لی گوشتہ ہائے چشم سے اشکوں نے رخ کی راہ

چہرے کا رنگ حالتِ دل کھولنے لگا

ہر موئے تن زباں کی طرح بولنے لگا

آخر اسیرِ یاس کا قفس دہن کھلا

افسانہ شدائدِ رنج و سخن کھلا

اک دفترِ مظالم چرخِ کہن کھلا

واحقا دہانِ زخم کہ بابِ سخن کھلا

دردِ دلِ غریب جو صرف بیاں ہوا
 خونِ جگر کا رنگِ سخن سے عیاں ہوا
 رو کر کہا خموش کھڑے کیوں ہو میری جاں
 میں جانتی ہوں جس لئے آئے ہو تم یہاں
 سب کی خوشی یہی ہے تو صحرائے کوہِ رواں
 لیکن میں اپنے منہ سے نہ ہرگز کہوں گی ماں
 کس طرح بن میں آنکھوں کے تارے کو بھیج دوں
 جوگی بنا کے راجِ دُلا رے کو بھیج دوں
 دُنیا کا ہو گیا ہے یہ کیسا لہوِ سپید
 اندھا کٹے ہوئے ہے زر و مال کی آمید
 انجام کیا ہو کوئی نہیں جانتا یہ بھید
 سوچے بشر تو جسم ہو لہزاں مثالِ بید
 لکھی ہے کیا حیاتِ ابد ان کے واسطے
 پھیلا رہے ہیں جالِ یہ کس دن کے واسطے
 لیتی کسی فقیر کے گھر میں اگر جنم
 ہوتے نہ میری جان کو سامانِ یہ بہم

ڈستانہ سانپ بن کے مجھے شوکت و حشم
 تم میرے لال تھے مجھے کس سلطنت سے کم
 میں خوش ہوں پھونک دے کوئی اس تخت و تاج کو
 تم ہی نہیں تو آگ لگاؤں گی راج کو
 کن کن ریاضتوں سے گزارے ہیں ماہ و سال
 دیکھی مہارسی شکل جب اے میرے نو نہال
 پورا ہوا جو بیاہ کا ارمان تھا کمال
 آفت یہ آئی مجھے پہ ہوئے جب سفید بال
 چھپتی ہوں اُن سے جوگ لیا جن کے واسطے
 کیا سب کیا تھا میں نے اسی دن کے واسطے
 ایسے بھی نامراد بہت آئیں گے نظر
 گھر جن کے بے چراغ رہے آہ عمر بھر
 رہتا مرا بھی نخلِ تمنا جو بے ثمر
 یہ جائے صبر تھی کہ دعا میں نہیں اثر
 لیکن یہاں تو بن کے مستدرِ بگڑ گیا
 پھل پھول لا کے باغِ تمنا آجرٹ گیا

سرزد ہوئے تھے مجھ سے خدا جانے کیا گناہ
 منجھدھار میں جو یوں مری کشتی ہوئی تباہ
 آتی نظر نہیں کوئی امن و اماں کی راہ
 اب یاں سے کوچ ہو تو عدم میں رہے پتاہ
 تقصیر میری خالق عالم بھل کر سے
 آسان مجھ غریب کی مشکل اکیل کرے
 سن کر زباں سے ماں کی یہ فریاد درد خیز
 اس خستہ جاں کے دل پہ چلی غم کی تیغ تیز
 عالم یہ تھا قریب کہ آنکھیں ہوں اشک ریز
 لیکن ہزار ضبط سے رونے سے کی گریز
 سوچا یہی کہ جان سے بیگیں گزر نہ جائے
 نا شاد ہم کو دیکھ کے ماں اور مر نہ جائے
 پھر عرض کی یہ مادرِ تاشاد کے حضور
 باپوس کیوں ہیں آپ، الم کا ہے کیوں و فور
 صدمہ یہ شاق عالم پیری میں ہے ضرور
 لیکن نہ دل سے کیجئے صبر و قرار دور

شاید خزاں سے شکل عیاں ہو بہار کی
کچھ مصلحت اسی میں ہو پروردگار کی

یہ جہل، یہ فریب، یہ سازش، یہ شور و مشر

ہوتا جو ہے سب اس کے بہانے ہیں سرسبز

اسباب ظاہری ہیں، نہ ان پر کرو نظر

کیا جانے کیا ہے پردہ قدرت میں جلوہ گر

خاص اس کی مصلحت کوئی پہچانتا نہیں

منظور کیا اسے ہے کوئی جانتا نہیں

راحت ہو یا کہ رنج، خوشی ہو کہ انتشار

واجب ہر ایک رنگ میں ہے شکر کردگار

تیم ہی نہیں ہو کشتہ نیرنگ روزگار

ماتم کدے میں دہر کے لاکھوں ہیں سو گوار

سختی سہی نہیں، کہ اٹھائی کڑی نہیں

دنیا میں کیا کسی پہ مصیبت پڑی نہیں

دیکھے ہیں اس سے بڑھ کے زمانے نے انقلاب

جن سے کہ بے گنا ہوں کی عمریں ہوئیں خراب

سوزِ دروں سے قلب و جگر ہو گئے کیاب
 پیری ہٹی کسی کی، کسی کا مٹا شبا ب
 کچھ بن نہیں پڑا جو نصیبے بگڑ گئے
 وہ بجلیاں گریں کہ بھرے گھر اُجڑ گئے
 ماں باپ مُنہ ہی دیکھتے تھے جن کا ہر گھڑی
 قائم تھیں جن کے دم سے اُمیدیں بڑی بڑی
 دامن پہ جن کے گرد بھی اُڑ کر نہیں پڑی
 ماری نہ جن کو خواب میں بھی پھول کی چھڑی
 محروم جب وہ گل ہوئے رنگِ حیات سے
 ان کو جلا کے خاک کیا اپنے ہات سے
 کہتے تھے لوگ دیکھ کے ماں باپ کا ملا ل
 ان بیکسوں کی جان کا بچنا ہے اب محال
 ہے کبریا کی شان گذرتے ہی ماہ و سال
 خود دل سے دروِ ہجر کا مٹا گیا خیال
 ہاں کچھ دنوں تو نوحہ و ماتم ہوا کیا
 آخر کو رو کے بیٹھ رہے اور کیا کیا

پڑتا ہے جس غریب پہ رنج و محن کا بار
 کرتا ہے اس کو صبر عطا آپ کر دو گار
 مایوس ہو کے ہوتے ہیں انساں گناہ گار
 یہ جانتے نہیں وہ ہے دانائے روزگار
 انسان اُس کی راہ میں ثابت قدم رہے
 گردن وُہی ہے امرِ رضا میں جو خم رہے
 اور آپ کو تو کچھ بھی نہیں رنج کا مقام
 بعدِ سفر وطن میں ہم آئیں گے شاد کام
 ہوتے ہیں بات کرنے میں چودہ برس تمام
 قائم اُمید ہی سے ہے، وُنیہا ہے جس کا نام
 اور یوں کہیں بھی رنج وِیلا سے مفر نہیں
 کیا ہوگا دو گھڑی میں کسی کو خیر نہیں
 اکثر ریاض کرتے ہیں پھولوں پہ باغیاں
 ہے دن کی دھوپ رات کی شبیم انہیں گراں
 لیکن جو رنگِ باغ بدلتا ہے ناگہاں
 وہ گل ہزار پردوں میں جاتے ہیں رالگاں

رکھتے ہیں جو عزیزا نہیں اپنی جاں کی طرح
 ملتے ہیں دستِ یاس وہ برگِ خزاں کی طرح
 لیکن جو پھول کھلتے ہیں صحرا میں بے شمار
 موقوف کچھ ریاض پہ اُن کی نہیں بہار
 دیکھو یہ قدرتِ چمن آراستے روزگار
 وہ ابرو یاد و برفت میں رہتے ہیں برقرار
 ہوتا ہے اُن پہ فضل جو ربِ کریم کا
 موجِ سموم بنتی ہے جھونکا نسیم کا
 اپنی نگاہ ہے کرم کار ساز پر
 صحرا چمن بنے گا وہ ہے مہرباں اگر
 جنگل ہو یا پہاڑ، سفر ہو کہ ہو حضر
 رہتا نہیں وہ حال سے بندے کے بے خبر
 اس کا کرم شریک اگر ہے تو غم نہیں
 دامنِ دشت، دامنِ مادر سے کم نہیں

احتساب زندگی

بتا اے خاک کے پتے کہ دنیا میں کیا کیا ہے
 بتا کے دانت ہیں مُنہ میں ترے کھایا پیا کیا ہے
 بتا خیرات کیا کی راہِ مولا میں دیا کیا ہے
 یہاں سے عاقبت کے واسطے تو شہ لیا کیا ہے
 دعائیں لیں کبھی ٹھنڈا کیا دل درو مندوں کا
 بُرے حالوں میں تو شامل ہوا محتاج بندوں کا
 کسی گم کردہ رہ کی خضر بن کر رہنمائی کی
 کسی کی ناخن تدبیر سے عقدہ کشائی کی
 دم مشکل کسی مظلوم کی حاجت روائی کی
 کسی کی دستگیری کی کسی سے کچھ بھلائی کی
 کبھی کچھ کام بھی آیا کسی آفت رسیدہ کے
 کبھی دامن سے پونچھے تو نے آنسو آبدیدہ کے

شریکِ درد و غم ہو کر کسی کا دکھ مٹایا ہے
 مصیبت میں کسی آفت زدہ کے کام آیا ہے
 پرانی آگ میں پڑ کر کبھی دل بھی جلایا ہے
 کسی بیکس کی خاطر جان پر صدمہ اٹھایا ہے
 کبھی آنسو بہائے ہیں کسی کی بد نصیبی پر
 کبھی کچھ ترس کھایا تو نے مفلس کی غریبی پر
 کبھی تو نے کسی برگشتہ قسمت کی خبر لی ہے
 کسی ماتم زدہ کی تو نے دلجوئی کبھی کی ہے
 کسی کے واسطے آفت میں اپنی جان ڈالی ہے
 کسی بے خانماں کو وقت مشکل کچھ مدد دی ہے
 کبھی کچھ دلنوازی کی ہے تو نے دل شکستہ کی
 کبھی کچھ چارہ فرمائی بھی کی زخمی و خستہ کی
 کبھی امداد دی تو نے کسی بیکس بچارے کو
 سخی بن کر دیا کچھ تو نے مفلس کے گزارے کو
 نشلی دی کبھی تو نے کسی آفت کے مارے کو
 کبھی تو نے سہارا بھی دیا ہے بے سہارے کو

شریکِ دردِ دل ہو کر خبر لی بے نواؤں کی
 لگی ہے چوٹ بھی دل پر صدا سن کر گداؤں کی
 مرقعِ عسرت و عسرت کا یہ نیرنگِ عالم ہے
 کہیں ہے نغمہ شادی کسی جا شورِ ماتم ہے
 کوئی خنداں کوئی شاداں کوئی بادیدہِ بزم ہے
 دورنگی ہے زمانہ کی کہیں شادی کہیں غم ہے
 کبھی دورِ خزاں ہے اور کبھی فصلِ بہاری ہے
 کبھی ہیں وصل کی راتیں کبھی اخترِ شماری ہے
 ڈرا تو سوچ اے غافل رہیگا شاداں کب تک
 کریگا خونِ اپنے وقت کا ناقدرِ واں کب تک
 ترے باغِ جوانی میں نہ آئے گی خزاں کب تک
 رہے گا تیری قسمت سے موافق آسماں کب تک
 رہے گا تاکہ مصروفِ دنیا کے جھمیلے میں
 کہاں تک کھوئے گا عمرِ رواں پانی کے ریہے میں
 نہ ہو تو عیش پر نازاں دورِ روزہ ہے خوشی تیری
 نہرِ شکایاں رلائیگی یہ دم بھر کی ہنسی تیری

عبت ہے ہستی موہوم سے دل بستگی تیری
 رہیں بچہ دست اجل ہے زندگی تیری
 عبت ہے سبکی پر اس قدر انداز مستانہ
 چھلک جائیگا ہو کر عمر کا لبریز پیما نہ
 فنا و زیست کا اک روز قصہ پاک ہونا ہے
 اجل کے ہاتھ سے دامن ہستی چاک ہونا ہے
 کبھی تو پائمال گردشِ افلاک ہونا ہے
 کسی دن خاک میں ملنا ہے آخر خاک ہونا ہے
 حباب آسا قرارِ زیست ہے دنیاۓ فانی میں
 جو تجھ سے ہو سکے کرے بھلائی زندگانی میں
 نہ دولت ساتھ جائیگی نہ حشمت ساتھ جائیگی
 نہ شوکت ساتھ جائیگی نہ رفعت ساتھ جائیگی
 پس مردن نہ شام نہ امارت ساتھ جائیگی
 نہ عظمت ساتھ جائیگی نہ صولت ساتھ جائیگی
 جو پوچھے جائیں گے محشر میں وہ اعمال ہیں تیرے
 اگر کچھ ساتھ جائیں گے وہ نیک افعال ہیں تیرے

مناسب ہے کہ نیک اعمال کو طاعت گزاری کہ
پسندیدہ طریقے سیکھ عجز و انکساری کہ

بھلائی کہ بدی سے باز آ پھر ہیز گاری کہ
جو نتیجہ سے ہو سکے تو خلق کی خدمتگزاری کہ

اگر نیکی کرے گا تو خدا اس کا ثمر دے گا
ترا وامن وہی اُمید کے پھولوں سے بھر دے گا

اقبال

نیا سوال

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو بُرا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پُرانے

اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا واعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسلنے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک و وطن کا مجھ کو ہرزہ دیوتا ہے

آ، غیریت کے پردے اک بار پھراٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں، نقشِ دوئی مٹا دیں

سوئی پڑی ہوئی ہے، نرت سے دل کی بستی

آ، اک نیا سوالہ اس دلیں میں بنا دیں

دُنیا کے تیر محفل سے آونچا ہو اپنا تیر تھ

دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں

ہر صبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ پیٹھے میٹھے

سارے سچا رہیں کوئے پریت کی پلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت ہیں،

دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

نوشی محمد ناظر
جوگی

کل صبح کے مطلعِ تاباں سے جب عالمِ یقینہ نور ہوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے خورشید کا نور ظہور ہوا

مستانہ ہوائے گلشن تھتی جاتانہ اداسے گلبن تھتی
 ہر وادی وادی اکین تھتی ہر کوہ پہ جلوہ طور ہوا
 جب باد صبا مضراب بنی ہر شاخ نہال رباب بنی
 شمشاد و چنار ستار بنے ہر سرو و کمن طنبور ہوا
 سب طاثر مل کر گانے لگے عرفاں کی تانیں اڑانے لگے
 اشجار بھی وجد میں آنے لگے دلکش وہ سہماغ طنبور ہوا
 سبزے نے بساط سجھائی تھتی اور بزم سرور سجائی تھتی
 بن میں گلشن میں آنگن میں فرش سنجاب و سمور ہوا
 تھا دلکش منظر دشت و جبل اور چال صبا کی مستانہ
 اس حال میں ایک پہاڑی پر جاتکھا ناظر و لیوانہ
 چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے پر بت پر چھاؤنی چھائی تھتی
 تھے خیمے ڈیرے بادل کے کہرے نے قنات لگائی تھتی
 یاں برت کے قودے گلے تھے چاندی کے نورے چلتے تھے
 چشمے سیناب اُگلے تھے نالوں نے دھوم مچائی تھتی
 یاں قلۂ کوہ پر رہتا تھا اک مست قلندر بیراگی
 تھتی راکھ جٹوں میں جوگی کے اور انگ بھڑوت رنائی تھتی

مختار اکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیرا ہن تن پر
 سختی ایک لنگوٹی زیب کمر جو گھٹنوں تک لٹکانی محضی
 سب خلق خدا سے بیگانہ وہ مست قلندر دیوانہ
 بیٹھا تھا جوگی مستانہ آنکھوں میں مستی چھائی تھی
 جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جھپک کر میں نے سلام کیا
 تب آنکھ اٹھا کر ناظر سے یوں بن باسی نے کلام کیا
 کیوں یا با نا حق جوگی کو تم کس لئے آ کے ستانے ہو
 میں بیکھ پکھیر بن باسی تم جال میں آن پھنساتے ہو
 کوئی جھگڑا وال چپائی کا کوئی دعویٰ گھوڑے ہاتھی کا
 کوئی شکوہ سگی ساحتی کا تم ہم کو آ کے سناتے ہو
 ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے اس نگرہی سے منہ موڑ چکے
 ہم جو زنجیریں توڑ چکے تم لا کے وہی پہناتے ہو
 تم پوچھا کرتے ہو دھن کی ہم سیوا کرتے ہیں سا جن کی
 ہم جوت لگاتے ہیں من کی تم اس کو آ کے بچھاتے ہو
 سنسار سے یاں مکھ پھیرا ہے من میں سا جن کا ڈیرا ہے
 یاں آنکھ لڑائی ہے پشیم سے تم کس سے آنکھ ملاتے ہو

اس مست قلندر جوگی نے جب ناظر یہ عتاب کیا
 کچھ دیر تو ہم خاموش رہے پھر جوگی سے یہ خطاب کیا
 ہم ہیں پر ویسی سیلانی مت ناحق طیش میں آ جوگی
 ہم آئے تھے تیرے درشن کو چتون پر میل نہ لا جوگی
 آبادی سے منہ پھیرا کیوں پریت میں کیا ہے ڈیرا کیوں
 ہر محفل میں ہر مشعل میں ہر دل میں ہے نورِ خدا جوگی
 کیا مندر میں کیا مسجد میں سب جلوہ ہے وجہ اللہ کا
 پریت میں نگر ہیں ساغر میں ہر آئنا ہے ہر جا جوگی
 جی شہر میں خوب بہلتا ہے واں حسن پہ عشق مچلتا ہے
 واں پریم کا ساغر چلتا ہے چل دل کی پیاس بجھا جوگی
 واں دل کا غنچہ کھلتا ہے ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
 چل شہر میں سنگھ بجا جوگی بازار میں دھوئی رہا جوگی
 ان چکنی چٹڑی باتوں سے مت جوگی کہ پھسلا با با
 جو آگ بجھائی جتنوں سے مت اس پر تیل گرا با با
 ہے شہر وں میں غل شور بہت اور ہوس و ہوا کا زور بہت
 بستے ہیں نگر میں چور بہت سادھوں کی ہے بن میں جا با با

ہے شہر میں شورشِ نفسانی، جنگل میں ہے جلوہ روحانی
 ہے نگری ڈگری کثرت کی، بن وحدت کا دریا بابا
 ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں
 راجہ کے نہ دوار سے جاتے ہیں، ہر جا کی نہیں پروا بابا
 سر پر آکاش کا منڈل ہے دھرتی پہ سہانی محفل ہے
 دن کو سورج کی محفل ہے، شب کو تاروں کی سجایا بابا
 جب جھوم کے یاں گھن آتے ہیں بستی کا رنگ چماتے ہیں
 چشمے طنبور بجاتے ہیں، گاتی ہے ملار ہوا بابا
 یاں بچھی مل کر گاتے ہیں، یتیم کے سندیش سناتے ہیں
 یاں روپا الوپ وکھاتے ہیں، پھل پھول اور پرگ و گیا بابا
 ہے پیٹ کا ہروم دھیان تمہیں اور یاد نہیں جھگوان تمہیں
 ریل پتھر اینٹ مکان تمہیں دیتے ہیں سکھی سے چھڑا بابا
 تن من کو دھن میں لگاتے ہو، یتیم کو دل سے ٹھلاتے ہو
 مانی میں لعل گناتے ہو، تم بندہ حرص و ہوا بابا
 دھن دولت آئی جہانی ہے، یہ دنیا راعم کہانی ہے
 یہ عالم عالم فانی ہے، باقی ہے ذاتِ خدا بابا

محروم

نورِ جہاں کا مزار

دن کو بھی یہاں شب کی سیاہی کا سماں ہے
 کہتے ہیں یہ آرام گاہِ نورِ جہاں ہے
 مدت ہوئی وہ شمعِ نیرِ خاکِ نہاں ہے
 اُٹھتا مگر اب تک سرِ مرقد سے دھواں ہے

جلوؤں سے عیاں جن کے ہوا طور کا عالم
 تربت پہ ہے ان کی شبِ دیجور کا عالم
 اے حسنِ جہاں سوز! کہاں ہیں وہ شرارے
 کس باغ کے گل ہو گئے؟ کس عرش کے تارے
 کیا بن گئے اب کربِ شبِ تاب وہ سارے
 ہر شام چمکتے ہیں جو راوی کے کنارے
 یا ہو گئے وہ داغِ جہانگیر کے دل کے
 قابل ہی تو تھے عاشقِ دلگیر کے دل کے

تجھ سی ملکہ کے لئے یہ بارہ دری ہے
 غالیچہ سرفرش ہے کوئی نہ دری ہے
 کیا عالم بے چارگی اسے تاجوری ہے
 دن کو یہیں بسرام، یہیں شب بسری ہے

ایسی کسی جو گن کی بھی کٹیا نہیں ہوتی
 ہوتی ہو، مگر یوں سر صحرانہیں ہوتی

تعوذ لحد ہے زیر وزیر، یہ اندھیر !

یہ دور زمانہ کے آلٹ پھیر یہ اندھیر !
 آنگن میں پڑے گرد کے ہیں ڈھیر، یہ اندھیر

اے گردوش ایام، یہ اندھیر، یہ اندھیر

ماہِ فلک حسن کو یہ بڑج بلا ہے

اے چرخ ترے حسنِ نوازش کا گلا ہے

حسرت ہے پیکتی درو دیوار سے کیا کیا

ہوتا ہے اثرِ دل پہ ان آثار سے کیا کیا

نالے ہیں نکلنے دل افکار سے کیا کیا

اُٹھتے ہیں شرر آہِ شرر بار سے کیا کیا

یہ عالم تنہائی یہ دریا کا کنارہ

ہے تجھ اسی حسینہ کے لئے ہو کا نظارہ

۱۰۴
 جو پائے جو گھبراتے ہیں گرمی سے تو اکثر
 آرام لیا کرتے ہیں اس روئے میں آکر
 اور شام کو بالائی سیہ خانوں سے شیر
 اڑ اڑ کے لگاتے ہیں درو بام پہ چکر
 معمور ہے یوں محفلِ جاٹانہ کسی کی
 آباد رہے گورِ غریبانہ کسی کی
 آراستہ جن کے لئے گلزار و چین تھے
 جو ناز کی میں داغ وہ برگِ سمن تھے
 جو گلرخ و گلِ پیرہن و غنچہ دہن تھے
 شاداب گلِ تر سے کہیں جن کے بدن تھے
 پڑ مر وہ وہ تھل و ب کے ہوئے خاک کی نیچے
 خوابیدہ ہیں خار و خس و خاشاک کے نیچے
 رہنے کے لئے دیدہ و دل جن کے مکاں تھے
 جو پیکرِ ہستی کے لئے رُوحِ رواں تھے
 محبوبِ دلِ خلق تھے جاں بخش جہاں تھے
 تھے یوسفِ ثانی کہ مسیحا ئے زماں تھے
 جو کچھ تھے کبھی تھے، مگر اب کچھ بھی نہیں ہیں
 ٹوٹے ہوئے پنجرے پڑے زیرِ زمیں ہیں

دنیا کا یہ انجام ہے، دیکھ اے دلِ ناداں
 ہاں بھول نہ جائے تجھے یہ مارِ فر و پیراں
 باقی ہیں نہ وہ بارغ نہ وہ قصر نہ ایوان
 آرام کے اسباب نہ وہ عیش کے سامان
 ٹوٹا ہوا اک ساحلِ راوی پہ مکاں ہے
 دن کو بھی جہاں شب کی سیاہی سماں ہے

(۲)

گزشتہ بیداری

وقت سحر ہے سونے والو	دھیان کدھر ہے سونے والو
جاگو نیند کے اے متوا لو	لطف سحر کو کھونے والو
جاگ اٹھا ہے پتہ پتہ	غفلت کیسی سوتا کیسا
باو سحر کے جھونکے آئے	مکھت تر کے جھونکے آئے
جاگو پہلو بدل کر دیکھو	اٹھو آنکھیں مل کر دیکھو

صلے علی یہ نور کا عالم
ہر ذرے پر طور کا عالم

تازہ نوا مرغان چین ہیں نغمے جن کے جان چین ہیں
میٹھی بولی بول رہے ہیں آڑنے کو پر کھول رہے ہیں
وجد میں ہیں سب آتے جاتے حمد خدا کے گیت ہیں گاتے
گلشن میں جو نہر ہے جاری کرتا ہے سجدہ خالق باری
نخل گھڑے ہیں ہر کو ٹھکائے دست دعا شاخوں نے اٹھائے
محو یادِ خدا ہے سبزہ سر بسجود پڑا ہے سبزہ
شاخ پہ پبل زمرہ خواں ہے خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے

جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے
وقتِ نماز، دعا کی گھڑی ہے

شور اٹھا ناقوسِ اذان کا وقت نہیں یہ خوابِ گراں کا
عابدِ شیخ برہمن جاگے جانبِ مسجد مندر بھاگے
عارفِ زاہد اور پجاری نیند نہیں ہے جن کو پیاری
نیند سے پیاری یادِ خدا ہے یادِ خدا میں جن کو مزا ہے

محفلِ راز میں جا کر بیٹھے
دل کو جہاں سے اٹھا کر بیٹھے

کیونکہ یہ عالم وارِ فنا ہے اس میں سدا کب کوئی را ہے
 تو ہے مسافر اس دنیا میں جیسے رہرو اترے سرا میں
 وقتِ سحر گر رہرو سوئے غفلت میں گر وقت کو کھوئے
 چلنے سے ہو گم وہ غافل کھوٹی کرے گا اپنی منزل

ستجہ کو بھی درپیش سفر ہے
 جاگ اٹھ جاگ اٹھ وقتِ سحر ہے

۱۰۸ مثنوی

میر حسن دہلوی

انتخاب از مثنوی سحر البیان

توحید

کہوں پہلے توحید یزدان رقم
جھکا جس کے سجدے کو اول قلم

سیر لوح پر رگمہ بیاض جبیں

کہا دوسرا کوئی سچہ سا نہیں

قلم پھر شہادت کی انگلی اٹھا

ہوا حرف زن یوں کہ رب العلا

نہیں تیرا کوئی نہ ہوگا شریک

نہی ذات ہے وحدہ لا شریک

پرستش کے قابل ہے تو اے کریم

کہ ہے ذات تیری غفور و رحیم

رہِ حمد میں تیرمی عز و جل
تیجے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل

وہ الحق کہ ایسا ہی معبود ہے
قلم جو لکھے اوس سے آفتزدہ ہے
تروتازہ ہے اوس سے گلزار خلق
وہ انبرِ کرم ہے ہوا دار خلق

اگرچہ وہ بے فکر و غینور ہے
وے پرورش سب کی منظور ہے
کسی سے نہ براؤ سے کچھ کام جان
جو وہ مہرباں ہے تو کل مہربان

قلم گو زباں لاوے اپنی ہزار
لکھے کس طرح حمد پروردگار
اس عہدے سے کوئی بھی نکلا نہیں
سوا عجز و پیش یاں کچھ نہیں

داستان

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ
 کہ تھا وہ شہنشاہ گیتی پناہ
 بہت حشمت و جاہ و مال و منال
 بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال
 کئی بادشاہ اس کو دیتے تھے باج
 خطا و ختن سے وہ لیتا خراج
 کوئی دیکھتا آ کے جب اس کی فوج
 تو کہتا کہ ہے بحر ہستی کی موج
 رعیت تھی آسودہ و بے خطر
 نہ غم مفلس کا نہ چوری کا ڈر
 کہاں تک کہوں اس کا جاہ و حشم
 محل و مکاں اس کا رشک ارم
 کسی طرح کا وہ نہ رکھتا تھا غم
 مگر ایک اولاد کا تھا الم

اسی بات کا اوس کے تھا دل پہ داغ
نہ رکھتا تھا وہ اپنے دل کا چراغ

خدا پر زلیں اوس کو تھا اعتقاد

لگا مانگنے اپنے حق سے مراد

سحابِ کرم نے کیا جو اثر
ہوئی کشتِ اُمید کی بارور

عجیب صاحبِ حسن پیدا ہوا

جسے مہر و ماہ دیکھ شیدا ہوا

ہوا وہ جو اوس شکل سے دلپذیر

رکھا نام اُس کا شبِ بے نظیر

خواصوں نے خواجہ سراؤں نے جا

کئی نذریں گزرا نیاں، اور کہا

مبارک تھے اے شبِ نیک بخت

کہ پیدا ہوا وارثِ تاج و تخت

یہ سنتے ہی مژدہ بچھا جا نماز

کئے لاکھ سجدے کہ اے بے نیاز

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی یا ر
نہ ہو تجھ سے مایوس اُمیدوار

دو گانہ غرضِ شکر کا کر ادا

تہیہ کیا شاہ نے جشن کا

خوشی سے کیا یاں تلک زرنثار

جسے ایک دینا تھا بخشنے ہزار

محل میں جو دیکھا تو اک از دحام

مبارک سلامت کی کھتی دھوم دھام

پری پیکروں کا ہر اک جا ہجوم

وہاں بھی بڑی عیش و عشرت کی دھوم

چھٹی تک غرض کھتی خوشی کی ہی بات

کہ دن عبید اور رات کھتی شبِ ابرات

پڑھے ابر ہی ابر میں جوں صلال

محل میں لگا پلنے وہ نو نہال

پلا جب وہ اس ناز و نعمت کے ساتھ

پدر اور مادر کی شفقت کے ساتھ

ہوئی اوس کی کتب کی شادی عیاں

ہوا پھر اوہیں شادیوں کا سماں

معلم اتالیق منشی ادیب

ہر اک فن کے استاد بیٹھے قریب

کیا قاعدے سے شروع کلام

پڑھا نہ لگے علم اوس کو تمام

دیا تھا زبیں حق تے ذہن رسا

کئی سال میں علم سب پڑھ چکا

واستان سواری

پڑی جب گرہ بارہویں سال کی

کھلی گکچھڑی غم کے جنجال کی

کہا شہ نے بلوا نقیبوں کو شام

کہ ہوں صبح حاضر بھی خاص و عام

سواری تکلف سے تیار ہو

مہیا کریں جو کہ درکار ہو

سریں شہر کو مل کے آئینہ بند
سواری کا ہو لطف جس سے دو چند

رعیت کے خوش ہوں صغیر و کبیر
کہ نکلے گا کل شہر میں بے نظیر
خوشی میں گئی جلد جو شب گذر

ہوئی سامنے سے نمایاں سحر
کہا شاہ تے اپنے فرزند کو
کہ یا بانہا دھوکے تیار ہو

داستان حمام

ہوا جب کہ داخل وہ حمام میں
عرق آگیا اوس کے اندام میں

نہانے میں یوں ممتی بدن کی دھک
برسنے میں بجلی کی جیسے جھک

گیا حوض میں جب شبہ بے نظیر
پڑا آب میں عکس بدرِ منیر

وہ گورا بدن اور بال اس کے تر
 کیے تو کہ ساون کی شام و سحر
 نہادھو کے نکلا وہ گل اس طرح
 کہ بدلی سے نکلے ہے مہ جس طرح
 غرض شاہزادے کو نہلا دھلا
 دیا فلعت حسروا نہ پہتا
 جواہر سراسر پہنایا او سے
 جواہر کا دریا بنایا او سے
 جواہر کا تن پر عجیب متھا ظہور
 کہ اک اک غدا اس کا متھا کوہ نور
 غرض ہو کے اس طرح آراستہ
 خراماں ہوا سرو نو خاستہ
 نکل گھر سے جس دم ہوا وہ سوار
 کئے خوان گوہر کے اس پر نثار
 زبس متھا سوار می کا باہر ہجوم
 ہوا جبکہ ڈنکا بڑی سب میں دھوم

برابر برابر کھڑے تھے سوار
ہزاروں ہی تھتی ہاتھیوں کی قطار

رعیت کی کثرت ہجوم سپاہ
گذرتی تھی رک رک کے ہر جائگاہ

ہوئے جمع کوٹھڑوں پہ جوں مرد و زن
ہر اک سطح سنبھالوں زمین پھمن

زلیں شاہزادہ بہت تھا حسین
ہوئے دیکھ عاشق کہین و مہین

نظر جس کو آیا وہ باہ تمام
کیا اوس نے جھک جھک کے اوس کو سلام

غرض شہر سے باہر اک سمت کو
کوئی باغ تھا شہ کا اوس میں سے ہو

گھڑی چار تک خوب سی سیر کہ
زعیت کو دکھلا کے اپنا پسر

اوی کثرت فوج سے ہو سوار
پھر شہر کی طرف وہ شہریار

سواری کو پہنچا گئی فوجِ اُدھر
گئے اپنی منزل میں شمس و قمر

قضا را وہ شبِ ممتی شبِ چارِ وہ

پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہ

نظارے سے تھا اوس کے دل کو سُر

عجب عالمِ نور کا تھا ظہور

عجب لطافت تھا سیرِ مہتاب کا

کہے تو کہ دریا تھا سیماب کا

ہوا شاہزادے کا دل بیقرار

یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار

کچھ آئی جو اوس مہ کے جی میں ترنگ

کہا آج کو مٹے پہ بچھے پانگ

داستانِ شہزادے کے کو مٹھے پر سونے کی

ز بس نیند میں تھا جو وہ ہو رہا

بچھوٹے پہ آتے ہی وہ سو رہا

وہ بھولوں کی خوشبو وہ مستحرا پینگ
 جوانی کی نیند اور وہ سونے کا رنگ

جہاں تک کہ چوکی کے تھے باری دار
 ہوا جو چلی سو گئے ایک بار

غرض سب کو وال عالم خواب مٹھا
 مگر جاگتا ایک مہتاب مٹھا

قضا را ہوا اک پرہی کا گذر
 پڑی شاہزادے پر اوس کی نظر
 بھوکا سا دیکھا جو اوس کا بدن
 جلا آتش عشق سے اوس کا تن

ہوئی لاکھ جی سے وہ اوس پر نشانہ
 وہ تخت اپنا لائی ہوا سے اونٹارہ

محبت کی آئی جو دل میں ہوا
 وہاں سے اوس سے لے آڑی دلربا

ہوا جب زمیں سے وہ شعلہ بلند
 ہوا میں ستارہ سا چمکا دو چند

غرض لے گئی آن کی آن میں
اوڑا کر وہ اوس کو پرستان میں

داستان پرستان

اوڑی وہ پری واں سے لیکر اوسے
اوتارا پرستان کے اندر اوسے
وہاں ایک ستھا سیر کا اوس کے باغ
کہ جس کے گلوں سے ہوتا زہ دماغ
رکھا شاہزادے کا اوس میں پلنگ
کھلا حسن سے اوس کے ہینگے کا رنگ
یہاں کا تو قصہ میں چھوڑا یہاں
ورا اب سنو غمزہوں کا بیاں
کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں
تو دیکھا کہ وہ شاہزادہ نہیں
کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی
کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی

کوئی بلبلائی سی پھرنے لگی
کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی

کوئی سر پہ رکھ ماتھہ دلگیر ہو
گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو
کوئی رکھ کے زیر زرخداں چھڑی
رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی

رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب
کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب
کسی نے دیئے کھول سنبل سے بال
طمانچوں سے جوں گل کئے سرخ گال

نہ بن آئی کچھ اون کو اس کے سوا
کہ کہئے یہ احوال اب شہ سے جا

سُنی شہ نے القصد جب یہ خبر
رگرا خاک پر کہہ کے ہاتھے پسر

کہا شہ کہ واں کا مجھے دو پتا
عزیز وہاں سے وہ پوسٹ گیا

گیئیں لے وہ شہ کو لبِ بام پر
 دکھایا کہ سویا تھا وہ رسیم بر
 یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا
 کہا لائے بیٹا تو یاں سے گیا
 عجب بحرِ غم میں ڈوبو یا مجھے
 غرض جان سے تو نے کھویا مجھے
 کہہ دوں اس قیامت کا کیا ہیں بیاں
 ترقی میں ہر دم تھا شور و فغاں
 وزیروں نے دیکھا جو احوال شاہ
 کہ ہوتی ہے اب اس کی حالت تباہ
 کہا گو جدائی گوارا نہیں
 و لیکن جدائی سے چارا نہیں
 خدا جانے اب اس میں کیا بھید ہے
 یہ کہتے ہیں جیتوں کو امید ہے
 خدا کی خدائی تو معمور ہے
 غرض اس کے نزدیک کیا دور ہے

یہ کہہ اور شدہ کو بٹھا تخت پر
بہر نوع رہنے لگے یک دگر

لٹا یا بہت باپ نے مال و زر
ولیکن نہ پاٹی کچھ اوس کی خبر

نہ پاٹی کہیں یاں تو اوس گل کی بو

کروں اب پرستان میں مستجو
قضا را کھلی آنکھ اوس گل کی جو

نہ پاٹی و ماں شہر کی اپنے ۔ لو

نہ وہ لوگ دیکھے نہ وہ اپنی جا

تجرب سے اک اک کو تکٹا رہا

اچنبھے کا یہ خواب دیکھا جوواں

لگا کہنے یارب میں آیا کہاں

قصائد

محسن کا کوروی

بادل کا بیان

سمت کاشی سے چلا جانبِ مہترا بادل
 برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
 گھریں میں اٹھان کریں سرو قدانِ گوگل
 جا کے جمنہ پہ نہانا بھی ہے ایک طول اٹل
 خبر اڑتی ہوئی آتی ہے مہابن سے ابھی
 کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
 کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
 ہند کیا ساری خدائی ہیں بتوں کا ہے عمل

نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی
پندرہ روز ہوتے پانی کو منگل منگل

تہ وبالا کئے دیتے ہیں ہوا کے جھونکے
بیڑے بھاؤں کے نکلتے ہیں بھرے گنگا جل

کبھی ڈوبی کبھی اچھلی میرے نو کی کشتی
بحرا خضر میں تلاطم سے مچی ہے ہلچل

قصرِ بیاں کہتی ہیں طوبی سے "مزاج عالی
لالہ باغ سے ہندو سے فلک کھیم کسل

شب و سحر اندھیرے میں ہے ظلمت کے نہاں
لیلیٰ محمل میں ہے ڈالے ہوئے منہ پر آنچل

جو گیا بھیس کئے چرخ لگائے ہے بھوت
یا کہ براگی ہے پریت پہ بچھائے کسل

وہ دھواں دھار گھٹا ہے کہ نظر آئے نہ شمع
گرچہ پروانہ بھی ڈھونڈھے اسے لے کر مشعل

آتش گل کا دھواں بامِ فلک تک پہنچا
جہم گیا منزلِ خورشید کی چھت میں کا جل

شاخ شمشاد پہ قمری سے کہو چھڑے ملار
تو نہالان گلستاں کو سنائے یہ غزل

سمت کاشی سے چلا جانبِ محضرا بادل
تیرتا ہے کبھی گنگا کبھی جمنا بادل
شاہِ کل کا لئے ساتھ ہے ڈولا بادل
برق کہتی ہے مبارک تجھے سہرا بادل
سطحِ افلاک نظر آتی ہے گنگا، جمنا
روپ بجلی کا سنہرا ہے رو پہلا بادل
جب تلک برج میں جمنا ہے یہ کھائے کا نہیں
ہے قسم کھائے اٹھائے ہوئے گنگا بادل
دیکھتا گر کہیں محسن کی فغان و زاری
نہ گر جتا کبھی ایسا نہ برستا بادل

(انتخاب از مدیح خیر المصلین)

غالب

آم کی تعریف

ہاں دلِ دردمندِ زمزمہ ساز
کیوں نہ کھولے درخزینہٴ راز

خامہ کا صفحہ پر رواں ہوتا

شاخِ گل کا ہے گلفشاں ہوتا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھتے
مکنتہ ہائے خرو فرا لکھتے

بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے

خامہ نخلِ رطبِ فشاں ہو جائے

آم کا کون مردِ میداں ہے

مشر و شاخِ گوے و چوگاں ہے

تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں

آے یہ گوے اور یہ میداں

آم کے آگے پیش جاوے خاک

بھوڑتا ہے جلتے پھپھو لے تاک

نہ چلا جب کسی طرح مقدور
بادۂ ناب بن گیا انگور

یہ بھی ناچار جی کا کھوتا ہے
شرم سے پانی پانی ہوتا ہے
مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے
آم کے آگے نیشکر کیا ہے

نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ نہ بار
جب خزاں آئے تب ہوا اس کی بہار
اور ووڑا شیے قیاس کہاں
جان شیریں میں یہ سٹھاس کہاں

نظر آتا ہے یوں مجھے یہ شمر
کہ دواخانہ ازل میں مگر
آتش گل پہ قند کا ہے قوام
شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام

یا یہ ہو گا کہ فرطِ رافت سے
باعباتوں نے باغِ جنت سے

انگیں کے بہ حکم رب الناس

بھر کے بھیجے ہیں سر بہ مہر گلاس

یا خضر نے لگا کے شاخ نبات

مدتوں تک دیا ہے آب حیات

نب ہوا ہے شرفشاں یہ نخل

ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل

رونق کا رگاہ برگ و ثوا

نازش دود ماں آب و ہوا

زہر و راہِ خلد کا توشہ

طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ

صاحبِ شلخ و برگ و بار ہے آم

ناز پروردہ بہا رہے آم

مرانی

انیس

مناجات

یا رب چمنِ فطیم کو گلزارِ ارم کر
اے ابریکرم خشاکِ ذراعت پر کریم کر

تو فیض کا مبداء ہے توجہ کوئی دم کر
گناہ کو اعجازِ سیاقوں میں رقم کر

جب تک یہ چمک مہر کے پر تو سے نہ جائے
اقلیم سخن میرے قلم سے نہ جائے

اس باغ میں چشے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں یہ ہے تری شکر گزاری

ہر نخل برومند ہے یا حضرت باری
بچیں ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

وہ گل ہوں عنایت چمن طبع نکو کو
 بیل نے بھی سو لکھنا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو
 خواص طبیعت کو عطا کر وہ لالی
 ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خالی
 ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی
 عالم کی نکا ہوں اسے گرے قطب شمالی
 سب ہوں در بیکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
 نذر ان کی یہ ہوں گے جنہیں رشتہ پہنچے سے
 بھر دے در مقصود سے اس درج دہاں کو
 دریائے معانی سے بڑھا طبع رواں کو
 آگاہ کر انداز لکھم سے زباں کو
 عاشق ہو فصاحت بھی وہ جسے زباں کو
 تحسین کا سموات سے غل تابہ سماں ہو
 ہر گوش بنے کان ملاحات وہ نمک ہو
 ساقی کے کرم سے ہو وہ دور اور چلے جام
 جس سے عوض نشہ ہو کیفیت انجام

ہرست فراموش کرے گردشِ ایام
 صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
 ہاں یادہ کشو لو چھ لومینجانہ نشیں سے
 کوثر کی یہ موج آگئی ہے خلدِ یں سے

غالب

مرثیہ عارف

لازم تھا کہ دیکھو میرا رستا کوئی دن اور
 تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور
 آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں
 مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور
 جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو بلیں گے
 کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

ہاں آئے فلک پیرواں تھا ابھی عادت
 کیا نیرا بگڑتا جو نہ مرنے کوئی دن اور
 تم ماہِ شب چار دہم تھے مرے گھر کے
 پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور
 تم کون سے تھے ایسے کمرے دا دوست کے
 کرسٹا ملک الموت تھا کوئی دن اور
 مجھ سے تمہیں نفرت سہی تیرے لڑائی
 بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور
 گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش
 کہنا تھا چو اں مرگ گزارا کوئی دن اور
 تا داں ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہو غالب
 قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

قطعات

میر

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اُس کو فلک نے ٹوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اُسی آجڑے دیار کے

غالب

آمد بہار

پھر اس انداز سے بہار آئی
 کہ ہوئے مہر و مسہ تما شائی
 دیکھو اے ساکنانِ خطّہ خاک
 اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کہ زمیں ہو گئی ہے سرتا سر
 روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
 سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی
 بن گیا روئے آب پر کائی

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لئے
 چشمِ نرگس کو دی ہے بینائی

ہے ہوا میں شراب کی تاثیر
 بادہ نوشی ہے بادِ پیائی

اکبر الہ آبادی

(۱)

پہی کی زلف میں اُلجھانہ ریشِ واعظ میں
 دلِ عزیز ہوا لقمہ امتحانوں کا
 وہ حافظ جو مناسب تھا ایشیا کے لئے
 خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

(۲)

بے پردہ کل جو آئیں نظر چمنہ بیہیاں
 اکبر زیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
 پوچھا جو اُن سے آپ کا پروہ وہ کیا ہوا
 کہنے لگیں کہ عقل پہ سرووں کے پڑ گیا

مہر

وہ چال چن کہ عمر خوشی سے کٹے تری
وہ کام کر کہ یاد تجھے سب کیا کریں
گر تیرا ذکر ہو تو ہو وہ ذکرِ خیر مہر
گر تیرا نام لیں تو اوب سے لیا کریں

فراق گورکھپوری

آج بھی کامِ محبت کے بہت نازک ہیں
دل وہی کارِ گمِ شیشہ گراں ہے کہ جو مٹھا
ظلمت و نور ہیں کچھ بھی نہ محبت کو ملا
آج تک ایک دھندلکے کا سماں ہے کہ جو مٹھا
منہ لیں گرو کی مانند اڑی جاتی ہیں
وہی اندازِ جہانِ گدراں ہے کہ جو مٹھا

رباعیات

درد

(۱)

دُت تیں باغ و بوستاں کو دیکھا
یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں آئینہ کب تک پریشاں نظری
اب موندیے آنکھ لیں جہاں کو دیکھا

(۲)

جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں
ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں
اس علم کی انتہا سمجھنا آگے
اے درد ابھی تو نام حق پڑھتا ہوں

(۳)
 اے درد بہت کیا پر لکھا ہم نے
 دیکھا تو عجب جہاں کا لکھا ہم نے
 بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کچھ
 جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نے

(۴)
 پیری چلی اور گئی جوانی اپنی
 اے درد کہاں ہے زندگانی اپنی
 کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
 کہتے ہیں اب آپ ہم کہاں اپنی

انٹیس

(۱)

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
جیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(۲)

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے
پیری ہیں بہ شکلِ نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر
خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

(۳)

رُتبہ جیسے دنیا میں خدا دیتا ہے
وہ دل میں فروختی کو جا دیتا ہے
کہتے ہیں تھی مغز ثنا اپنی آپ
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے
 اس بلغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے
 تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں
 وہ کون سے گل کھلے جو مَر جہا نہ گئے

حالی

(۱)

تیمور نے اک مورچہ زہرہ دیوار
 دیکھا کہ چڑھا دارہ کو لے کر سو بار
 آخر سہرا بام لے کے پہنچا تو کہا
 ”مشکل نہیں کوئی پیش ہمت و شوار“

(۲)

ہے جان کے ساتھ کام انساں کے لئے
 بنتی نہیں زندگی میں بے کام کشتے
 چیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح
 سردوں کی طرح جئے تو کیا خاک جئے

عشرت کا تخریخ سدا ہوتا ہے
 ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے
 جس قوم کو عیش دوست پانا ہوں میں
 کہتا ہوں کہ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

اکبر الہ آبادی

خاطر مضبوط دل توانا رکھو
 اُسید اچھی خیال اچھا رکھو
 ہو جائیں گی مشکلیں تمہاری آساں
 اکبر الہ آبادی پر بھروسہ رکھو

(۲)

دُنیا ئے دُنی محل آفات بھی ہے
فکر روزی نجل اوقات بھی ہے

طرہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
جیتا رہے آدمی نواک بات بھی ہے

(۳)

تعلیم بھی پائی سب کے پیارے بھی ہوئے
دُنیا کو بھی خوش کیا ہمارے بھی ہوئے
لیکن جو یہ نورِ طبع پایا نہ گسیا
پھر کیا تم عرش کے جوتارے بھی ہوئے

مہر

(۱)

کیوں کہتا ہے ہر چیز کو تو میری ہے
اے مہتر نہ میری ہے نہ یہ تیری ہے
دُنیا سے چلا جانا ہے اک دن اس طرح
گو یا کہ کسی فقیر کی پھیری ہے

(۲)

جس طرح سے مہر چھوڑ کر رخت کہن
 کر لیتے ہیں ہم جامہ نو زیب بدن
 کہتی ہے حلال اور جسموں میں رُوح
 ہو جاتا ہے کہنہ جبکہ یہ جامہ تن

(۳)

ہر شے میں جمالِ دلربا کو دیکھا
 ہر چیز میں شانِ کبریا کو دیکھا
 مخلوق میں خالق نظر آیا جس کو
 اس دیکھنے والے نے خدا کو دیکھا

محرم

(۱)

فریاد ہے کس لئے درِ یزداں پر
 الزام تراشتے ہو کیوں شیطان پر
 یزداں نے کئے کبھی نہ شیطان نے کئے
 انساں نے کئے ہیں جو ستم انساں پر

ہے رحم و کرم سے آج بیزار انسان
انسان سے ہے خود برسرِ پیکار انسان

دُنیا کو بنا دیا ہے دوزخ اس نے
کس مہمہ سے ہے جنت کا طلبکار انسان

فراق

(۱)

یا شاد کہے کہتے ہیں اور شاد کہے
محبور کہے کہتے ہیں آزاد کہے

اک دل ہے کہ سو بھیس بدلتا ہے فراق
بر باد کہے کہتے ہیں آباد کہے

(۲)

پرسمت خموشی کا سماں ہوتا ہے

عالم ہے کہ بے لاگ پڑا سوتا ہے

اے دوست نگر رات کے سناٹے میں
لے لے کے ترا نام کوئی روتا ہے

شعراۓ کرام
کا
مختصر تعارف

درد

آپ کا نام خواجہ میر تقی میر تھا۔ اور درد تخلص۔ آپ کی ولادت ۱۱۳۳ھ میں دہلی کے ایک محرز خاندان میں ہوئی۔ آپ مختلف مذہبی علوم اور تصوف میں کامل و سنگاہ رکھتے تھے۔ آپ کو موسیقی میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ خود دار اور آزادانہ طبیعت کے مالک تھے۔ صوفی تھے۔ کلام میں بھی تصوف کا رنگ غالب ہے۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے۔ اس میں درد اور اند کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ آپ کا دیوان مختصر ہے۔ لیکن اسی کی بدولت اردو شاعری میں آپ کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔ آپ کی تصانیف میں اردو اور فارسی کے دیوان کے علاوہ کچھ رسالے بھی ہیں۔ آپ کا انتقال دہلی میں ۱۱۹۹ھ میں ہوا۔

میر حسن

میر غلام حسن آپ کا نام تھا۔ اور حسن تخلص۔ آپ کی پیدائش

۱۱۳۰ء ہجری میں دہلی میں ہوئی۔ دہلی کی بربادی کے بعد آپ فیض آباد گئے۔ فیض آباد کی جگہ جب لکھنؤ دارالحکومت قرار دیا گیا تو آپ بھی لکھنؤ تشریف لے گئے۔

آپ نے دیگر اصنافِ شعر کو بھی اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا لیکن سب سے زیادہ کمال اور شہرت آپ کی مثنوی کو حاصل ہوئی۔ آپ کا کلام تصنیع سے پاک ہے۔ الفاظ سلیس ہیں۔ اور اسلوب بیان میں فطری سادگی ہے۔ آپ اپنے اشعار میں جذبات کی صحیح نمائندگی اور وقت اور حالات کی حقیقی منظر کشی کرتے ہیں۔

شعرا نے اردو کا ایک تذکرہ 'دس مثنویاں' اور ایک دیوان آپ کی تصنیف ہیں۔ آپ کا انتقال لکھنؤ میں ۱۲۰۱ھ میں ہوا۔

محمد

آپ کا نام میر تقی تھا۔ میر تخلص تھا۔ آپ اکبر آباد میں ۱۱۳۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد آپ نے دہلی کو اپنا وطن بنایا۔ دہلی کی بربادی کے بعد آپ لکھنؤ آئے۔ آپ کی ساری زندگی درد و غم کی ایک لمبی داستان رہی۔ اس رُوسے اوروں کی جگہ بیتی کے مقابلے

میں میر کا کلام اُن کی آپ بیتی ہے۔ آپ کو اُردو کا خدائے سخن
 کہا جاتا ہے۔ اُردو کے عظیم مرتبہ شعرا نے آپ کی اُستادی کا
 اعتراف کیا ہے۔ آپ کا کلام سادگی اور فصاحت میں اپنی مثال آپ
 ہے۔ آپ کے اشعار مایوسی اور درد کی جیتی جاگتی تصویر ہیں اور جاؤ
 کا سا اثر رکھتے ہیں۔

متعدد مشنویوں اور دیگر تصانیف کے علاوہ اُردو کے چھ
 دیوان آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کی وفات ۱۲۲۵ھ میں ہوئی :

انشاء

آپ کا نام سید انشاء اللہ خان اور تخلص انشاء تھا۔ آپ مُرشد آباد
 میں پیدا ہوئے۔ عہدِ شباب میں دہلی آکر کچھ دیر تک شاہ عالم کے دربار
 سے وابستہ رہے۔ پھر وہاں سے آپ لکھنؤ آئے۔ یہاں آپ نے
 نواب سعادت علی خان کے ہاں اپنی حاضر جوابی اور لطیف ظرافت کی بدولت
 بہت عروج و اقبال حاصل کیا۔ بعد میں اس شوخی اور بذلہ سنجی کے
 باعث ہی نواب موصوف کے عتاب کا شکار ہو گئے۔ آپ کی زندگی کا
 آخری دور اندوہناک کیفیت میں گذرا۔

انشاء کی طبیعت کی شوخی اور بذلہ سنجی اُن کے کلام سے عیاں ہے
 کلیات کے علاوہ فارسی میں اُردو قواعد پر لکھی ہوئی کتاب دریائے لطافت
 اور مٹھیٹھ ہندی میں لکھی ہوئی "رائی کیتکی کی کہانی" آپ کی یادگار
 ہیں۔ آپ ۱۲۳۳ھ میں لکھنؤ میں فوت ہوئے +

آتش

خواجہ حمید علی آپ کا نام تھا۔ اور آتش تخلص۔ آپ کی ولادت
 فیض آباد میں ہوئی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد آپ لکھنؤ آئے جہاں
 آپ نے مصحفی کی شاگردی اختیار کی۔ آپ نہایت سادہ زندگی بسر
 کرتے تھے۔ توکل اور قناعت کے ساتھ ساتھ ان کے مزاج میں
 خود داری بھی انتہا درجہ کی تھی۔ آپ کے بہت سے شاگردوں نے
 اُردو شاعری میں کمال اور شہرت حاصل کی۔ آپ کے کلام میں روانی
 ہے اور آپ کی جذبات نگاری کا انداز لطیف اور دلکش ہے۔ آپ
 اُردو غزل کے مستند استادوں میں سے ہیں۔ آپ کا ایک دیوان آپ
 کی زندگی میں ہی طبع ہوا تھا اور دوسرا دیوان پہلے کے قلم کی صورت
 میں بعد میں شائع ہوا۔ آپ کا سن وفات ۱۲۶۳ ہجری ہے۔

مومن

حکیم مومن خان مومن دہلی میں ۱۲۱۵ھ میں، اہلباک کے ایک برگزیدہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ طبابت کے علاوہ نجوم و رمل میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ رنگین مزاج تھے۔ لیکن عالم شباب میں ہی آپ دین و ایمان کی طرف مائل ہوئے۔ اگرچہ آپ نے قصائد، مثنویاں اور رباعیاں بھی لکھیں لیکن میدانِ غزل میں ہی آپ کو اپنی ندرتِ بیانِ جدتِ ادا، نزاکتِ تخیل اور معنی آفرینی کی بدولت ایک خاص مقام حاصل ہوا۔ آپ نے کوٹھے سے گزر کر ۱۲۶۸ھ ہجری میں وفات پائی؛

ذوق

آپ کا نام شیخ محمد ابراہیم تھا۔ اور ذوق تخلص تھا۔ آپ کی ولادت دہلی میں ۱۲۰۸ھ ہجری میں ہوئی۔ آپ کو حقوڑے ہی وقت میں شعر گوئی میں پختگی حاصل ہو گئی تھی۔ آغاز میں آپ کچھ دیر شاہ نصیر کے شاگرد رہے تھے۔ آپ بہادر شاہ ظفر شاہ دہلی کے استاد بنے۔ اکبر شاہ سے آپ کو

خاقانی ہند کا خطاب ملا۔ اور بہادر شاہ ظفر نے آپ کو ملک الشعراء بنایا
آپ غزل اور قصیدہ دونوں کے قادر الکلام استاد ہیں۔ غزل میں
آپ نے زبان کو پاکیزگی دی ہے۔ زور تخیل اور علو بیان آپ کے
کلام کی خصوصیات ہیں۔

آپ کا کلام آپ کی وفات کے بعد مرتب کیا گیا۔ آپ نے ۱۲۷۱ھ
میں انتقال کیا۔

ظفر

بہادر شاہ ثانی مغلیہ خاندان کے آخری فرمانروا کی ولادت
۱۷۷۵ء عیسوی میں ہوئی۔ ابو ظفر سراج الدین محمد نام تھا۔ اور
ظفر کے تخلص سے لکھتے تھے۔ علم دوست اور ادب نواز محقق۔ اردو
شاعری ان کی سرپرستی کی بہت کچھ مثنوی احسان ہے۔ آپ پہلے شاہ فقیر
پھر ذوق اور ان کے بعد غالب سے اصلاح کلام لیتے رہے۔ آپ کے
اشعار میں بہت تاثیر سوز و گداز ہے اور وہ مقبول خاص و عام ہوئے
ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد حکومت انگریزی نے آپ کو
قید کر کے برا بھیج دیا۔ جہاں رنگون میں ۱۸۶۲ء میں آپ نے انتقال کیا

غالب

مرزا اسد اللہ خان غالبؒ ۱۲۱۷ھ میں آگرہ میں پیدا ہوئے۔
 نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان پہلے اسد کے نام سے لکھتے تھے
 بعد میں غالبؒ تخلص کیا۔ ذوق کی وفات کے بعد آپ بہادر شاہ ظفر کے
 استاد ہوئے۔ شعر و شاعری کا مادہ فطری تھا۔ اردو اور فارسی دونوں
 زبانوں کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ آپ کو نظم و نثر پر یکساں قدرت
 حاصل تھی تنقید نگاروں کی رائے میں اردو غزل میں آپ اپنا ثانی نہیں
 رکھتے۔ آپ کی جذبات نگاری، فلسفیانہ رنگ، پروانہ نخیل اور
 جدت ادا اردو میں لا جواب ہیں۔ آپ کی خطوط نویسی میں مکالمہ کی سی
 چاشنی ملتی ہے۔ دیگر تصانیف کے علاوہ آپ کے خطوط کے مجموعے
 اردوئے متلی، اور عود ہندی، اور اردو اور فارسی کے دیوان آپ کی
 یادگار ہیں۔ آپ نے ۱۲۸۸ھ ہجری میں وفات پائی۔

انیس

میر سید علی نام اور انیس تخلص تھا۔ آپ کی پیدائش فیض آباد

۱۸۶۲ء میں ہوئی۔ آپ میر مستحسن خلیق کے فرزند اور میر حسن کے پوتے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت لکھنؤ میں ہوئی۔ آپ کو عربی اور فارسی پر عمیق حاصل تھا۔ آغاز میں غزل کہتے تھے۔ بعد میں انہوں نے مرثیہ کو اپنایا اور اسے ایک صنفِ شاعری کی صورت میں نہایت ہمت دیوں تک پہنچا دیا۔ آپ اردو کے عظیم ترین مرثیہ گو مانے جاتے ہیں۔ آپ کے کلام میں روانی اور بے ساختہ پن ہے۔ آپ نے جذباتِ انسانی اور مختلف مناظرِ قدرت کی لطیف اور صحیح تصویر کشی ہے۔ آپ نے لکھنؤ میں ۱۸۷۷ء میں وفات پائی۔

امیر مہینائی

آپ کا نام امیر احمد تھا اور امیر تخلص۔ آپ کی ولادت لکھنؤ میں ۱۸۲۹ء میں ہوئی۔ آپ کو ادبیات عربی و فارسی اور علومِ جفر و نجوم میں دستگاہ حاصل تھی۔ لکھنؤ سے آپ رام پور گئے۔ جہاں کچھ مدت نواب رام پور کی سرپرستی میں رہے۔ یہاں سے پھر آپ حیدر آباد چلے گئے۔ آپ نے غزل، قصیدہ، رباعی اور مستزس سب کچھ لکھا ہے۔ تخیل کی نزاکت اور بلندی کے ساتھ آپ کے انداز میں برجستگی ہے۔ آپ الفاظ کا

استعمال مناسب اور بھل کرتے ہیں۔
 چند مثنویوں، مسدس اور دیگر کتب کے علاوہ آپ کے دو
 دیوان مرآۃ الغیب اور صنم خانہ عشق آپ کی یادگار ہیں۔ آپ نے
 حیدرآباد میں سن ۱۹۱۹ء میں انتقال کیا۔

دارغ

نواب مرزا خان نام اور دارغ تخلص نضا۔ آپ کی پیدائش سن ۱۸۳۱ء
 میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کے بچپن ہی میں آپ کے والد نواب شمس الدین خان
 کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فتح
 سے شادی کر لی۔ ان کے ساتھ دارغ بھی قلعہ معائنہ میں رہے۔ اور
 وہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ آپ نے ذوق کی شاگردی کی۔ سن ۱۸۵۶ء
 کے انقلاب کے بعد آپ رام پور اور پھر وہاں سے حیدرآباد تشریف لے گئے
 اور آخر حیات تک وہیں رہے۔ یہاں آپ کی بہت قدر و منزلت ہوئی اور
 آپ کو نظام دکن کی استاد کی عزت ملی۔ آپ پر گوشتاں تھے جس نے
 آپ کے مخصوص موضوع ہیں۔ عشق مجازی کی نازک معاملہ بندی
 میں آپ کی غزلیں لاجواب ہیں۔ آپ کا شمار اردو کے غزل گو شعرا

کی صفتِ اول میں ہوتا ہے۔ آپ کی ایک مثنوی اور چار دیوان طبع ہو چکے ہیں۔ آپ کا سن وفات ۱۹۰۵ عیسوی ہے ۛ

سُرور

منشی درگا سہاسے سُرور جہاں آباد کے رہنے والے تھے۔ ۱۳۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے آپ کو شعر و سخن کا شوق تھا۔ آپ آزادانہ طبیعت کے مالک تھے۔ اور شاعری ہی آپ کی زندگی کا مقصد رہا۔ عین عالم شباب میں رامی ملک بقا ہوئے۔ آپ اردو شاعری میں طرزِ جدید کے رہنماؤں میں سے ہیں۔ آپ کا کلام پُر درد اور پُر اثر ہے اور اس میں قومیت کے جذبات نمایاں ہیں۔ زبان سادہ اور سستہ ہے۔ آپ نے اردو شاعری میں ہندی الفاظ کو جگہ دی ہے۔ آپ کے مجموعہ کلام کی دو جلدیں ضخائمہ سُرور اور حیاتِ سُرور کے نام سے آپ کی وفات کے بعد شائع ہوئیں۔

آپ نے ۱۹۱۱ء میں اس دارِ فنا سے کوچ کیا۔

حالی

آپ کا نام خواجہ الطاف حسین تھا۔ حالی تخلص تھا۔ آپ ۱۲۸۲ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ دورانِ شباب میں ہی آپ دہلی آئے اور وہاں نواب مصطفیٰ خان کے ہاں اتالیق کے طور پر کام کرنے لگے۔ انہیں کی وساطت سے حالی مرزا غالب کے شاگرد ہوئے۔ آپ دہلی میں اینٹگوو عریک سکول میں مدرس کے طور پر کام کرتے رہے۔ بعد میں لاہور میں تعلیم کے محکمہ میں مامور ہوئے۔ حیدرآباد کی ریاست سے آپ کے لئے وظیفہ مقرر ہوا۔ گورنمنٹ کی طرف سے آپ کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا آپ اردو نظم اور نثر دونوں میں ایک اہم مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اردو میں نیچرل اور اخلاقی شاعری کا سنگ بنیاد رکھا۔ آپ کے دیوان کے علاوہ مسدس مدوہجہ، اسلام (مسدس حالی) یا دگار غالب، مقدمہ شعر و شاعری، اور حیاتِ سعدی وغیرہ آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔ آپ ۱۹۱۵ء میں اپنے وطن پانی پت میں فوت ہوئے۔

اکبر الہ آبادی

آپ کا نام سید اکبر حسین تھا۔ اور اکبر تخلص۔ آپ کا سن ولادت

۱۸۶۶ء عیسوی تھے۔ وکالت کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ مختلف سرکاری عہدوں پر کام کرتے رہے اور ترقی کرتے ہوئے عدالت خفیہ کے جج ہوئے۔ آپ فارسی، عربی کے علاوہ انگریزی میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔ آپ منکسر المزاج تھے۔ اور ظریفانہ طبیعت کے مالک تھے۔ ظرافت کے رنگ میں اخلاقی اور قومی شاعری کو آپ نے ایک خاص انداز بخشنا ہے۔ آپ نے مذہب سیاسیات اور سوسائٹی کی خرابیوں کی نکتہ چینی کی ہے۔ ہندوؤں کے انداز میں بے تکلفی اور شوخی ادا آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ آپ کے کلام کی دو جلدیں آپ کی زندگی میں ہی شائع ہو گئی تھیں۔ باقی حصہ کلام آپ کی وفات کے بعد طبع ہوا۔ آپ نے ۱۹۲۱ء میں انتقال کیا +

چکبست

پنڈت برج رائے چکبست فیض آباد میں ۱۸۸۲ء میں پیدا ہوئے۔ بی۔ اے کے بعد آپ نے قانون کا امتحان پاس کیا۔ اور لکھنؤ میں وکالت شروع کی۔ اس پیشہ میں آپ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ۱۲ فروری ۱۹۲۶ء کو آپ ایک مقدمہ کے سلسلے میں بریلی تشریف لے گئے۔ اور سفر میں ہی فالج کا شکار ہو کر آپ نے اس سرائے فانی سے کوچ کیا۔ آپ ہندوستان

کے قادر الکلام قومی شاعر تھے۔ آپ کی زبان پاکیزہ ہے۔ آپ کے اشعار حب الوطنی اور قومیت کے پاک جذباتوں سے لبریز ہیں۔ آپ کا کلام صبح و وطن کے نام سے اردو میں اور ناگہری حروف میں بھی شائع ہو چکا ہے +

مشاد عظیم آبادی

سید علی محمد آپ کا نام تھا۔ اور مشاد تخلص۔ آپ عظیم آباد میں ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوئے۔ زبان عربی و فارسی کی تحصیل کے علاوہ آپ نے کچھ انگریزی بھی پڑھی۔ آپ کی زندگی شوقِ علم و ذوقِ شعر میں گزری۔ آپ کو مرثیہ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ آپ نے دیگر الذرائع سخن پر بھی طبع آزمائی کی۔ تاہم اردو غزل کے اس دور میں آپ کو بہت ممتاز درجہ حاصل ہوا۔ آپ کے کلام میں ہندی اور ایرانی ادب کے امتزاج کا رنگ ہے۔ آپ نشر اور نظم میں مختلف تصانیف کے مالک ہیں۔ آپ کی غزلیات کا ایک مجموعہ آپ کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے اور ابھی بہت سی تحریریں غیر مطبوعہ ہیں۔

آپ کی وفات ۱۹۲۷ء میں ہوئی +

مہر

سوزن زرائن آپ کا نام تھا اور مہر تخلص۔ آپ کی ولادت دہلی میں ہوئی۔ آپ نے فارسی سنسکرت اور انگریزی میں خاصی دستگاہ حاصل کی تھی۔ آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں تحصیل علم کرتے رہے۔ بعد میں آپ نے دہلی اور پنجاب کے محکمہ تعلیم میں عالی عہدوں پر کام کیا۔ آپ نے فلسفہ اور بالخصوص ویدانت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور خود ایک سچے ویدانتی تھے۔ آپ کا کلام عشقِ روحانی میں ڈوبا ہوا ہے۔ آپ نے اخلاقی اور نیچرل نظمیں لکھی ہیں۔ اور انگریزی سے بھی کئی نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔ آپ کا مجموعہ نظم کلام مہر کے نام سے شائع ہوا تھا۔ آپ نے ۱۹۳۳ء میں انتقال کیا ۛ

برق

منشی مہاراج بہادر برق کے نام سے لکھتے تھے۔ آپ کی ولادت دہلی میں ۱۸۸۷ء میں ہوئی۔ بچپن میں ہی آپ سایہ پداری سے محروم

ہو گئے تھے۔ آپ دہلی میں ڈاک کے محکمہ میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر مامور رہے۔ آپ کے اشعار میں پُر جوش روانی ہے۔ پاکیزگی زبان اور شوکتِ ادا آپ کے کلام کی خصوصیات میں سے ہیں۔ آپ فروری ۱۹۳۶ء میں پانی پت میں اپنے شاگرد جناب شگن چندر روشن وکیں کے ہاں تشریف لے گئے۔ جہاں حرکتِ قلب بند ہو جانے سے آپ کی موت واقع ہوئی +

اقبال

شیخ محمد اقبال آپ کا نام تھا۔ اور اقبال تخلص۔ آپ کی ولادت سیالکوٹ میں ۱۸۷۶ء میں ہوئی۔ آپ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے کرنے کے بعد وہاں پروفیسر کے طور پر کام کرتے رہے۔ بعد میں آپ یورپ گئے۔ انگلستان میں کچھ وقت رہ کر آپ بیرسٹر بنے۔ اور جرمنی سے فلسفہ کی پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر واپس آئے۔ آپ کو شروع سے ہی شعر و سخن کا شوق تھا۔ آپ نے حضرت داغ و صوفی سے تلمیذ کیا۔ آپ ایک عالی مرتبہ مفکر تھے، اور اردو فارسی دونوں میں قادر الکلام شاعر۔ پُر شکوہ مگر بے تکلف زبان۔ لطیف اور نادر تکمیل اور فلسفیانہ انداز۔

آپ کے کلام کی محنت از خصوصیات ہیں۔ آپ کے کلام نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی ہے۔ آپ کی نظموں کا ترجمہ انگریزی اور دیگر زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ اردو میں بانگ درا، بال جبریل اور ضربِ کلیم۔ فارسی میں پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ اور مثنویاں اسرارِ خودی اور رموزِ خودی، آپ کی تصانیف میں سے ہیں۔ آپ نے ۱۹۳۸ء میں لاہور میں انتقال کیا۔

قَاتِلِ بَدایُونی

آپ کا نام شوکت علی اور قاتلِ تختِ بختا۔ آپ کی ولادت ضلع بدایوں کے قصبہ اسلام نگر میں ۱۸۷۹ء میں ہوئی۔ بریلی کالج سے آپ نے بی۔ اے کیا۔ زان بعد آپ نے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ وکالت کے پیشہ میں آپ کو کامیابی نہ ہوئی۔ آپ حیدرآباد تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے ملازمت اختیار کی۔ مزید برآں مہاراجہ سرکشن پرشاد کی طرف سے آپ کو ایک محفل و طیفہ ملتا رہا۔ فلسفہ حیات کی باریکیوں کو آپ نے انوکھے انداز میں بیان کیا ہے۔ آپ کے دل کی افسردگی آپ کے اشعار میں نمایاں ہے۔ آپ کی زندگی یاس و حراں میں گزری۔ میر کی طرح آپ کا کلام بھی

بیانِ درد و غم میں آپ بیتی کا حکم رکھتا ہے۔ آپ کا انتقال
حیدرآباد میں ۱۹۴۱ء میں ہوا +

حسرت موہانی

سید فضل الحسن حسرت ۱۸۷۵ء عیسوی میں ضلع اناؤ کے قصبہ
موہان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے علی گڑھ سے بی۔ اے کیا اور وہیں اردوئے معلّیٰ
کے نام سے ایک ماہنامہ کا اجرا کیا۔ بعد میں یہ رسالہ کانپور سے شائع ہوتا
رہا۔ آپ نے وطن کی تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ اور اس جدوجہد
میں قید و بند کی صعوبتیں بھی سہیں۔ آپ ہی کے الفاظ میں مشقِ سخن بھی
جاری رہی اور چمکی کی مشقت بھی۔ آزادی کے بعد آپ پارلیمنٹ کے
رکن چنے گئے۔ آپ کے جذبات میں فطری سادگی ہے۔ زبان کی شستگی
اور طرزِ ادا کی شگفتگی نے آپ کے کلام کو ایک دلنواز تاثیر دی ہے۔
آپ نے موجودہ دور میں اردو غزل کو نئی زندگی عطا کی ہے۔ آپ کا
انتقال لکھنؤ میں ۱۹۵۱ء میں ہوا +

محروم

پروفیسر انلوک چند محروم۔ آپ کی ولادت مغربی پنجاب کی تحصیل

عیسیٰ خیل میں ۱۸۸۶ء میں ہوئی۔ اوائل حیات میں ہی آپ نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ آپ نے غزلیں، رباعیاں وغیرہ بھی لکھی ہیں۔ لیکن نظم میں آپ واحد اور امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ اردو کے مقتدر تنقید نگاروں نے آپ کی اسنادی کا احترام سے اعتراف کیا ہے۔ آپ کے الفاظ برجستہ ہیں اور جذبات لطیف اور پاکیزہ۔ آپ کے اشعار غم و درد کی تصویر ہیں اور سوز و گداز کا مرقع۔ آپ کے کلام میں تسکینِ قلب کا پیغام ہے اور عالمگیر صلح کی تلقین۔ آپ عمر بھر تعلیم کے محکمہ میں رہے ہیں۔ اس وقت آپ پنجاب یونیورسٹی کیمپ کا لچ نئی دہلی میں اردو کے پروفیسر ہیں۔ آپ کے کلام کے مجموعے 'کنجِ معانی'، کلام محروم حصہ اول، دوم، سوم۔ رباعیات محروم اور ہرشی درشن، شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کا بہت سا کلام ابھی غیر مطبوعہ ہے جس کی اشاعت سے دنیائے ادب میں گرِ القدر اضافہ کی توقع ہے۔

فراق گورکھپوری

پروفیسر گھوٹی سہائے فراق ۱۸۹۶ء میں گورکھپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم مشری گورکھ پرشاد عبرت چوٹی کے

دیکھیں تھے۔ انگریزی ادب میں ایم۔ اے کے امتحان میں فراق تمام امیدواروں میں اول رہے۔ آپ آئی۔ سی۔ ایس میں منتخب ہوئے لیکن ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ کو ترک کر کے آپ کانگریس کی قومی تحریکیاں میں شریک ہوئے۔ اور ڈیڑھ برس تک قید فرنگ میں رہے۔ ۱۹۳۳ء سے آپ الہ آباد یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر ہیں۔ آپ اپنے متعدد زبانوں کے ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ آپ موجودہ دور کے عظیم مرتبہ شاعر اور نقاد ہیں۔ آپ نے اردو شعر کو خالص ہندوستانی رنگ دینے کی قابل قدر کوششیں کی ہیں۔ آپ کے اشعار میں لوح ہے اور رس۔ آپ کے جذبات موسیقی سے لبریز ہیں۔ آپ نے دلکش اور رواں بحروں کا استعمال کیا ہے۔

نثر و نظم میں آپ کی متعدد تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ کچھ یہ ہیں۔ نثر میں عاشق اور غزلیات کے مجموعے رمز و کنایات، شبستان اور شعلہ ساز۔ آپ کی رباعیات کا مجموعہ روپ کے نام سے طبع ہوا ہے۔

فرنگ

غزلیات

درو

(۱)

ویر - بُت خانہ - مندر -

تاراج خزاں ہوا - پت جھڑکے ہاتھوں لٹ گیا -

کثرت موہوم - وہ کثرت جس کا وجود فقط وہم میں ہو - کثرت - وحدت کے برعکس - ایک کے مقابل انیک کا خیال -

خلوت خانہ - تنہا بیٹھنے کا مقام -

سابقے - گزری باتیں - پہلے معاملات -

(۲)

غنچہء دل - دل کی کلی -

دل گرفتہ - پژمردہ - مرجھایا ہوا -

سرو چراغاں - سرو کی شکل کا ایک جھاڑ جو محفلوں میں روشن کیا جاتا ہے -

(۳)

تہمت چنند - یہ شعر اس طرح بھی لکھا ملتا ہے -

تہمتیں چنند اپنے ذمے دھر چلے

کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے

آہ ! = اے آہ !

دامن تر - (۱) دامن کا گیلیا ہونا (۲) گناہگار ہونا -

میر

(۲)

مجبور - جو اپنے فعل پر قادر نہ ہو۔ جو کسی اور کے حکم کے ماتحت کام کرے۔
مختیار - جو اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے پر قادر ہو۔
تشفقہ کھینچا - ماتھے پر تلک لگایا۔

(۳)

غیر ریت یوسٹ - حضرت یوسٹ حسن میں بے نظیر تھے۔ غیرت یوسٹ
مراد بیش قیمت۔

(۴)

سُراب - گہمی میں ریت کی وہ چمک جس پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے۔

(۵)

تصنع سہیہ - دکھاوے کی بات ہے۔
بے ستون - کوہکن - کوہ بے ستون یا بہستون = ایران کا ایک مشہور پہاڑ۔
کوہکن پہاڑ کھودنے والا فریاد - شیریں کو حاصل کرنے کے لئے فریاد نے
بے ستون پہاڑ کو کھود کر نہر نکالی تھی۔
مجنوں - قیدیں نامری چسے لیلے سے عشق تھا۔
دوانے نے - دیوانے نے۔

الشا

(۶)

قدح شراب - شراب کا پیالہ۔ قدح بڑا پیالہ۔
حرم - کعبہ کی چار دیواری - خانہ کعبہ - مسجد۔

عیدِ قرباں - عیدِ الفحیٰ - وہ عید جس پر جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے -

۱۲

نکبتِ بادِ بہاری - بہار کی ہوا کی خوشبو -

لسانِ نقشِ پائے رہرواں - رستہ چلنے والوں کے پاؤں کے نشان کی مانند -

افتادگی - داماندگی - تھکاوٹ -

نجیب - شریف -

۱۳

چینِ جبیں - پیشانی کا بُل - علامت ہے خشم کی - کلیں - کینہ - دشمنی -

آتش

(۱)

کا کلِ مشکیں - کستری کی خوشبو والی زلفیں -

واشیدِ دل - دل کی شگفتگی، فرحت کے لئے -

حضرت موسیٰ - کوہِ طور پر خدا نے حضرت موسیٰ کو اپنا جلدہ

دکھایا تھا -

(۲)

سنا ہے جا ہے قریبِ رگِ گلوتیری - اشارہ ہے قرآنِ کریم کی آیت کی

طرن جس کا ترجمہ یوں ہے :-

”اور ہم اس سے شہِ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں“

شبِ فراق - جدائی کا رات -

یوسف - حضرت یعقوب کے فرزند حضرت یوسف جو حسن میں اپنا

ثانی نہ رکھتے تھے - یہاں مراد محبوب -

پیرا ہن یوسف - حضرت یوسف کی جدائی میں حضرت یعقوب آنکھوں سے محروم ہوئے تھے - ان کے کُرتے کی خوشبو سے پھر انہیں بینائی حاصل ہوئی +
سیب زباں - تلوار جیسی زبان رکھنے والا ۔

(۳۱)

سکندر و دارا - فیلقوس کا بیٹا ، یونان کا مشہور فاتح ، سکندر جس نے ایران کے بادشاہ دارا (دارا یوش سوم) کو شکست دی تھی -
مسیحا - مسیح یا مسیحی حضرت عیسیٰ کا لقب ہے - آپ اپنے معجزے کی طاقت سے مرلینوں کو شفا بخشتے تھے اور مردوں کو زندہ کرتے تھے -

(۳۲)

بے تابانہ - بے قرار ہو کر -
تعبیر - تفسیر - خواب کی تاویل -

مومن

(۳۳)

کوچہ جاناں - مجذوب کی گلی -
پریش سبب اجتناب - لاپرواہی کا باعث پوچھنا -
شبِ ماہتاب - چاندنی رات -
سجود - سجدہ - پائے صنم پر - مجذوب کے قدموں پر -
دم و دماغ - رخصت کے وقت -

(۳۴)

عیادت - بیمار پرستی -
باغِ خلد - بہشت کا باغ -

ذوق

دل
نفس اتارہ - خواہشوں کا حکم کرنے والا نفس - لذات دنیاوی کی خواہش -
نہنگ - نگہ -

اکسیر - کیمیا - پارس جودھات کو سونے چاندی میں تبدیل کر دے -
قلقل مینا = مینا - صراحی، شراب کی بوتل - قلقل - صراحی سے پانی یا
شراب نکلنے کی آواز -

شیطان - شیطان نے خدا کی حکم عدولی کی اور آدم کو سجدہ نہ کیا۔ اس
باعث مستوب ہوا -

۲

مسیح و خضر - انہیں ہمیشہ کی زندگی حاصل ہے -
وضو - اسلام کے قاعدہ کے مطابق نماز کے لئے جسم کے خاص خاص
مقامات کو دھونا -

قیامت - حشر -

یوسف کنعان - کنعان کے رہنے والے حضرت یوسف جہنہیں لے جا
کر مصر میں بیچا گیا تھا -

تیمم - پانی کی جگہ مٹی سے وضو کرنا -

خضر

دل

شانہ - سنگھی - سماقی - شراب پلانے والا -

معمورہ دنیا - دنیا کی آبادی -

نردباں - سیڑھی -
 شمع ساں - شمع کی مانند -
 خودی = پندار - (ہندی - اہنکار)

غالب

(۱)
 آستانِ یار - دوست کی دہلیز -

(۲)
 مشتاق - ملنے کا خواہشمند -

(۳)

ہنگامِ کمال - کمال کے وقت - پرنمائی، چودھویں رات میں چاند پوری طرح روشن ہوتا ہے
 ساغرِ جہم - جمشید کا پیالہ - جامِ جہاں نما، جس میں تمام دنیا کے حالات نظر آتے تھے -
 جامِ سفال - مٹی کا پیالہ - سفال - ٹھیکہ می
 فرماؤ - شیریں کا عاشق جس نے اسے حاصل کرنے کیلئے بے ستمی پہاڑ کو کھود کر نہر کالی بنائی -

امیر مہینائی

(۱)

استخوان - ہڈی -

ہنما - ایک مشہور فرعون پرندہ کہتے ہیں کہ یہ صرف ٹہیاں کھاتا ہے جس
 کے سر پر اس کا سایہ پڑے عجب بڑے بادشاہ ہر جاتا ہے -

دارغ

(۱)

افتخار - فخر - غرور -

(۲)

جہ سائی - ماتھا گھسنا -

خضر اور عمروان - حضرت خضر جو ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں -

(۳)

آبِ حیاں - آبِ حیات - جسے پینے سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے -
 نارِ نمرود - نمرود ایک سرکش بادشاہ تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا -
 اسے راہِ راست پر لانے کے لئے حضرت ابراہیم خلیل اللہ
 نے کوشش کی - نمرود نے انہیں آگ میں ڈال دیا - خدا کے حکم
 سے وہ آگ گلزار میں تبدیل ہو گئی -

خضر - ایک پیغمبر کا نام جو دریا و صحرا میں رہنمائی کرتے ہیں -
 لادی - رہنما - ہدایت کرنے والا -

الیاس - ایک پیغمبر جو خشکی میں گمراہوں کو راستہ دکھاتے ہیں -

حالی

(۱)

کیمیا - راتگ کو چاندی یا تانبے کو سونا بنانے کا عمل اکسیر -

نفس کی تسخیر - اپنے آپ پر فتح پانا - من کو جیتنا -

طلّ بال ہما - ہما کے پردوں کا سایہ - ہما کے بارے میں مشہور ہے کہ جس آدمی
 کے سر پر اس کا سایہ پڑ جائے وہ بادشاہ بن جاتا ہے -

اکبر الہ آبادی

(۱)

مہر سلیمان - حضرت سلیمان کی انگوٹھی جس کی بدولت ان لوگوں کے علاوہ جن پر مہیاں اور دیو بھی ان کے ماتحت رہتے تھے -

جامِ حجم - جمشید کا پیالہ جس میں دنیا کے حالات دکھائی دیتے تھے -

عجم - ایران -

مشرقت - خدا کی پہچان - عقوبت - اگلی دنیا - ناخدا - ملاح -

چکریست

دردِ دل چکریست نے یہ غزل ۱۹۱۱ء میں تحریر کی تھی -

(۲)

شاخِ بریدہ - کٹی ہوئی ٹہنی -

(۳)

مٹنے والوں - یہ غزل سن ۱۹۱۷ء میں لکھی گئی تھی -

شاہِ عظیم آبادی

(۲)

صاحبِ جمال - حسن رکھنے والے حسین -

آشفتمہ حال - پریشان حال - غمزہ - اوراقِ گل - پھول کی پتیاں -

شاہِ خوبال - حسینوں کا بادشاہ - حسن میں بے نظیر -

مہر

دل

سہاب - بارہ - پنڈار - خودی (ہندی - اہنگارہ)

روزِ حساب - حشر کا دن جبکہ اسلام کے عقیدہ کے مطابق سب انسانوں کو ان کے اعمال کی سزا اور جزا دی جائیگی۔
بندِ علائق - دنیاوی تعلقات کی زنجیر۔ دنیا کی محبت کا بندھن۔

(۱۲)

نقشِ کف پا - پاؤں کے تلوے کے نشان - نشانِ قدم۔
اقبال

(۱۱)

صدف نشینی - صدف، سیپ - پانی کا قطرہ سیپ میں بند پڑا رہتا ہے اور کچھ مدت کے بعد موتی بن جاتا ہے۔
عکس سرِ دکنار چوکا - ہنر کے کنارے اُگے ہوئے سرو کا سایہ۔
ریاض - (جمع روضہ کی) باغ - گلستان۔
فریبِ خوردہ - جو دھوکے میں آچکا ہو۔
تقلید - حقیقت کو جانے بغیر کسی کی پیروی کرنا۔
ہجاز - برعکس حقیقت کے - محزوں - غمگین - اداس۔

(۱۰)

فانی بدایونی

غم جاوداں - ہمیشہ کا غم۔
فی الجملہ - ماحصلِ کلام - مختصر الفاظ میں۔
ماحصل - انجامِ نتیجہ - دیارِ عمر - زندگی کی آبادی۔

(۹)

مستتمہ - پہیلی۔
کوئین - دونوں جہان - یہ دنیا اور اگلی دنیا۔

حسرت موبانی

(۱۲) غرور - عقل
جنوں - دلپائنگی -
شامل ارباب امتیاز کرنا - چنے ہوئے لوگوں میں شمار کرنا۔

(۱۳)

کرم جوہر نما سوزہ نوازش جو بظاہر ستم دکھاتی دیتی ہو - روزِ ازل - دنیا کی آفرینش کا دن۔

فراق گورکھپوری

چشمِ نونانہ بار - خالص اہور سانسے والی آنکھ۔
شعاعِ صبحِ حیات - زندگی کی سحر کو روشن کرنے والی کرن۔
مطلع - مقامِ طلوع - نشوونما - بالیدگی - اُگنا - پھلنا پھولنا۔
صبحِ ازل - آغازِ عالم کا سحر۔

منظومات

درو

شبنم
خانہ ماتم - سوگ کا گھر - صاف طبع - جو دل کے پاک ہیں۔

سمرور

پدمنی

پدمنی - چتر دیکھ راہِ بھیم سنگھ کی رانی - ذوقِ فنا - مٹ جانے کا شوق۔
کالبدِ نور - کالبدِ جسم - نور - روشنی - روشنی کا مجسمہ۔
بیرِ قدرت - قدرت کا گاہک - خالِ سودا - دل کا سیاہ داغ۔

اکبر الہ آبادی

فرزند تیک

مکر و زور - دھوکا اور فریب - معین - مددگار -

چکھلست

را مائن کا ایک سین

قفل دہن کھلا - زبان پر لگا ہوا تالا کھلا -

افسانہ شہزادہ رنج و محن - بھاری مصیبت اور غم کی کہانی -

منظالم چربخ کہن - پرانے آسمان کے ستم - زمانے کے ظلم -

ریاقتوں سے - مشکلوں میں - تکالیف میں -

تقصیر بھل کر ہے - خطا معاف کر دے انتشار - پریشانی - دکھ -

کشتہ تیرنگسار روزگار - فریب زمانہ کے مارے ہوئے - دنیا کی چال کا شکار -

مفر - رہائی - چھٹکارا - دیانٹ کرتے ہیں - محنت کرتے ہیں -

موج سموم - نہر ملی ہوا کا جھونکا -

بہار

احسانا بڑنارنگی

لوشہ - زادِ راہ - سفر کا سامان -

مختصر - حضرت خضر بھوئے جھٹکوں کی رہنمائی کرتے ہیں -

عقدہ کشائی - گانچہ کھولنا - مشکل حل کرنا -

عسرت و عسرت - تنگ دستی اور خوشحالی - اختر شمار می - تارے گینا -

رہن پیچہ دست اجل = موت کے ہمتوں گردنی - فنا کے پنجے میں مگڑی چوٹی۔
اقبال

نیا سوال

صنم کہہ بہت فائدہ۔
غیر میت = دشمنی۔ بیگانہ پن۔ بیر
خوشی محمد ناظر

جوگی

دادی امین، کوہ طور = دادی امین ہیں کوہ طور پر خدا نے حضرت موسیٰ کو اپنا جلوہ دکھایا تھا۔

محسروم
نور جہاں کا ہزار
طور = وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰ کو خدا کا جلوہ نظر آیا۔ تنویر اللحد۔ سنگہ ہزار۔ قبر کا پتھر

نورانی بیداری
صلی علی = کلمہ تحسین۔ (درو کا اختصار)

مشنوی

میر حسن دہلوی

مثنوی سحر الیہاں

شہادت کی انگلی = انگور ٹھٹھے کے ساتھ والی انگلی۔
دو گانہ = دو رکعت کی نماز۔ نماز شکرانہ۔
زیر زرخداں = مٹھڑی کے نیچے۔

یوسف = حضرت یوسف۔ یہاں مراد فرزند۔

قصائد

قصیدہ محسن کا کوری۔

محسن قصیدہ خیر المرسلین، حضرت محمد پیغمبر اسلام کی مدح میں لکھا ہوا ہے۔

قصیدہ غالب

نخلِ رطبِ نشال = نخلِ کھجور کا درخت - رطب = تروتازہ کھجور ۔
 کھجوریں برسلنے والا درخت ۔
 گوشتے و چوگاں = گیند اور بلا ۔
 تھاک = انگور کی ہیں ۔ انگور ۔
 بادۂ ناب = خالص شراب ۔
 فرطِ یافت = از حد کرم ۔
 رب الناس = لوگوں کا مالک ۔ خدا ۔
 نازشِ دو دمانِ آب و ہوا = آب و ہوا کے خاندان کا فخر ۔
 توششہ = زاد راہ ۔ سامانِ سفر ۔
 طوبیٰ = بہشت کا درخت ۔
 سدرہ = ساتویں آسمان پر سیری کا ایک درخت ۔
 نازِ پیروۂ بہار = جسے بہار نے بہت لاڈ سے پالا ہو ۔

سرائفی

انیس

گلزارِ ارم = بہشت کا باغ ۔ ارم ۔ وہ بہشت جو خدا نے زمین پر بنائی تھی ۔
 اقلیمِ سخن = شاعری کی ولایت ۔
 غواص = ڈوبی لگنے والا ۔ غوطہ خور ۔
 لالی = جمع لیل کی ۔ موتی ۔
 نظمِ ثریا = ثریا کی رشی ۔ ثریا ۔ آسمان پر سات ستاروں کا جھمکا ۔
 سموات سے (سموات جمع سما کی) آسمانوں سے ۔
 سرک = زمین کے نیچے کی مچھلی ۔

کوثر = بہشت کی ایک نہر کا نام -
غالب

مرثیہ عارف

(غالب کی بیوی کے بھانجے عارف انہیں بہت عزیز سمجھتے - جوانی میں ہی
ان کا انتقال ہو گیا تھا -)

ماہِ شبِ چار و ہم = چودھویں کا چاند -
داد و ستد = لین دین -
ملک الموت = موت کا فرشتہ -

قطعات

غالب
روشِ سطحِ چرخِ مینائی = نیلگوں آسمان کی سطح کو رشک دلانے
والی -

بادِ پیمائی = ہوا خوری کرنا - اور محاورے میں کوئی فضول کام
کرنا -

رباعیات

درد

توحید = وحدتِ حق - خدا کی ایکتا -
پرکھا = جانچ -

آنیس

معدن = کان -

فروتنی = عاجزی -

حالی

مورچہ = چھوٹی چوڑائی -

پیغام بکا = سہ وزاری کا پیغام -

اکسیرالہ آبادی

وَنیائے دنی = کمینہ دنیا -

مُخَلَّ اوقات = وقت کو بگاڑنے والا - زندگی میں خلل ڈال

والا -

عہد

حلول کرتی ہے = دوسرے جسم میں داخل ہوتی ہے -